وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 07	رمضان المبارک 1435ھ	جولائی 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۂ عبس	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	دن کا روزہ اور رات کا قیام	انجینئر مختار فاروقی	10
5	روزہ کس طرح مکمل ہوتا ہے؟	شیخ عمر فاروق	12
6	حضرت ادریس علیہ السلام اور ان کے حکیمانہ اقوال	عتیق الرحمٰن صدیقی	17
7	امریکی و مغربی سوسائٹی کی اندھا دھند تقلید؟.....	محمد منظور انور	19
8	دین میں زبردستی نہیں	ڈاکٹر ممتاز عمر	26
9	مسلم معاشروں میں مغربی استعمار سے پہلے خواتین کا چہرے کا پردہ	ڈاکٹر گوہر مشتاق	29
10	عمرانی علوم: حقیقت حال اور مستقبل	ڈاکٹر انیس احمد	46
11	اہل علم کے تأثرات		56

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ عبس 80 ﴿آیات 16-42﴾

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ O

انسان ہلاک ہوجائے کیسا ناشکرا ہے

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ O مِنْ نُّطْفَۃٍ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ O

اسے (اللہ نے) کس چیز سے بنایا؟ نطفے سے بنایا، پھر اس کا اندازہ مقرر کیا

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ O ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ O

پھر اس کے لئے رستہ آسان کردیا پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں دفن کروایا

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَہٗ O

پھر جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا

کَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَہٗ O

کچھ شک نہیں کہ اللہ نے اسے جو حکم دیا اس نے اس پر عمل نہ کیا

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖ O

تو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے

اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَاءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ○

بے شک ہم ہی نے پانی برسایا پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا

فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ○ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ○

پھر ہم ہی نے اس میں اناج اُگایا اور انگور اور ترکاری

وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ○ وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ○

اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ

وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ○ مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَ لِاَنۡعَامِكُمۡ ○

اور میوے اور چارا، (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے لئے بنایا

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ○

توجب (قیامت کا) غل مچے گا

يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ○

اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا

وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيۡهِ ○ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيۡهِ ○

اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹے سے

لِكُلِّ امۡرِئٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ○

ہر شخص اس دن ایک فکر میں ہوگا جو اسے (مصروفیت کے لئے) بس کرے گا

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ○

اور کتنے منہ اس روز چمک رہے ہوں گے۔ خنداں وشاداں (یہ نیکوکار ہیں)

وَ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ○ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ○

اور کتنے منہ ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہوگی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی

اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ○

یہ کفار بدکردار ہیں

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا،
غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (متفق علیہ،عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''جس نے رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے گئے۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا،
غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری،عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

جس نے رمضان کے مہینے میں قیام کیا ایمان اوراحتساب کے ساتھ،اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے گئے۔

اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ (بخاری،عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

جب رمضان کا مہینہ آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

الجَامِعُ الصَّغِیْر فی احادیث البشیروالنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللّٰہ

رمضان_ قرآن_ لیلۃ القدر
___اور قیامِ پاکستان

انجینئر مختار فاروقی

1 پاکستان دنیا کا ایک منفرد ملک ہے اور اسلامی نظریاتی پہچان رکھتا ہے۔ اس ملک میں مسلمان انتہائی غالب اکثریت میں ہیں (97%) اور یہ بات غیر مسلم اقلیتوں کو اس ملک میں بس جانے یا رہ جانے کے وقت سے ہی معلوم تھی۔ 14/اگست 1947ء کے بعد کئی سال تک برطانوی ہند کے مسلم اور غیر مسلم تمام باشندوں کو یہ اختیار تھا کہ وہ چاہیں تو بھارت کو اختیار کر کے اس میں آباد ہو جائیں یا پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کر کے پاکستان سے اپنا مستقبل وابستہ کر لیں۔

2 مسلمانانِ پاکستان پر اللہ تعالیٰ نے کئی اعتبارات سے بھاری ذمہ داریاں ڈال دی تھیں جن کا حق ادا کرنا لازم تھا پاکستان اس کا اہل بھی تھا مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر وہ عظیم ذمہ داریاں ابھی تک ادا نہیں ہو سکیں اور پاکستان ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کا روپ نہیں دھار سکا۔

3 ہم مسلمانانِ پاکستان اس ضمن میں اپنے رب ـــــ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی شرمندہ ہیں ہم اپنے ہم وطن ـــــ پاکستان میں آباد غیر مسلم اقلیتوں کہ جنہوں نے اسلام کے شاندار ماضی میں غیر مسلم اقلیتوں (ذمیوں) کے حقوق کی ادائیگی کا روشن ریکارڈ سامنے رکھ کر (یا اس کے بغیر ہی) پاکستان میں پرامن اور خوشحال زندگی کا خواب دیکھا تھا ـــــ مگر افسوس کہ وہ خواب ٹوٹ پھوٹ گیا بلکہ کرچی کرچی ہو کر رہ گیا۔

یہاں کے مسلمان ہی اس ملک کے شاندار مستقبل کے اصل ذمہ دار تھے لہٰذا وہ تو

سوائے اپنے ضمیر سے کسی سے شکوہ نہیں کر سکتے تاہم پاکستان میں رہائش پذیر غیر مسلم اقلیتیں جنہوں نے اپنا دنیاوی مستقبل ہمارے ہاتھوں میں تھما دیا تھا وہ ضرور ہم سے شکوہ کر رہی ہیں اور بجا طور پر حق بجانب ہیں۔

4 پاکستان کے مسلمان عملی اعتبار سے آج بھی دو طرح کے کیمپوں میں تقسیم ہیں۔ایک کیمپ ان لوگوں کا ہے جو پاکستان بننے کے فوراً بعد اس کے مستقبل اور کامیاب ریاست بننے سے مایوس ہو گئے تھے اور آج بھی وہیں کھڑے ہیں۔ان کی سوچ کا تانا بانا اور ان کے تجزیے زیادہ مغرب یا بھارت کے پراپیگنڈے سے متاثر نظر آتے ہیں۔وہ کسی مثبت کام کو کرنے کا اپنے آپ کو اہل نہیں پاتے۔ان کے خیال میں تو پاکستان کو پہلے یومِ آزادی کے چھ ماہ کے اندر ہی ختم ہو جانا چاہئے تھا۔اسی قسم کے خدشات ان پر آج بھی حاوی ہیں اور ہر دھماکہ، ہر بری خبر، کسی مغربی طاقت کا پاکستان کے خلاف بیان انہیں اپنے موقف کے حق میں ایک غیبی تائید (DIVINE SUPPORT) نظر آتا ہے اور وہ کسی نئی تخریبی سوچ کے ادھیڑ بن میں لگ جاتے ہیں۔پاکستان کی 67 سالہ تاریخ میں درجنوں ایسے مواقع آئے کہ محسوس ہوتا تھا کہ پاکستان اب ختم ہو جائے گا مگر یہ سارے خدشات کسی غیر مرئی پاکستان کو بچانے والی قوت کے سامنے ہمیشہ بے اثر ہو جاتے ہیں۔

دوسرا کیمپ ـــــ ان مسلمانوں کا ہے جو اس ملک کے قیام کے دن سے ہی اس ملک کے تابناک مستقبل، عظیم عالمی کردار اور نوعِ انسانی کی بہبود، فلاح اور دنیوی واُخروی کامرانیوں کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور بظاہر حالات کتنے ہی دگرگوں ہوں ـــــ وہ اپنے 'خیال میں مست' اسی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

خوش قسمتی سے ہمارا تعلق اسی دوسرے کیمپ سے ہے۔

5 پاکستان میں بظاہر حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، مجموعی طور پر پاکستان مقاصد کی طرف بڑھ رہا ہے ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست یا 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کا عکس جمیل بن کر پاکستان جلد یا بدیر دنیا کو امن وسکون، کفالت عامہ، عفت وعصمت کا تحفظ، عدلِ اجتماعی اور امتیازاتِ رنگ ونسل سے مبرا ریاست کا کامل اور قابل نمونہ پیش کرے گا اور یہی جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی گذشتہ کئی صدیوں کی محنتوں، قربانیوں، کاوشوں، دُعاؤں اور تمناؤں کا ثمر ہوگا ـــــ

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز

6 یہ بات ہمارے نزدیک صرف 'دیوانے کا خواب' نہیں ہے بلکہ پاکستان کے حالات و واقعات کا مطالعہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ تقدیر مبرم اور اٹل واقعہ ہے۔ جو یہ ہیں:

☆ پاکستان کا پہلا یومِ آزادی نہایت کسمپرسی، وسائل کی کمی اور نئی ریاست کی مشکلات کی وجہ سے بڑا سادہ تھا اور کراچی وڈھاکہ کی حد تک پرچم کشائی تک محدود تھا۔

☆ پاکستان کے قیام کا دن ـــــ قدرت کی طرف سے ایک خاص وقت میں ایک خاص واقعے کے لئے ـــــ ایک خاص ساعت ـــــ کا انوکھا انتخاب تھا ہماری مراد ہے کہ 14/اگست 1947ء، رات بارہ بجے کے بعد جب 'پاکستان زندہ باد' اور 'یہ ریڈیو پاکستان ہے' کے الفاظ فضا میں گونجے تو یہ وقت 27/رمضان المبارک 1366ھ کی نصف شب تھی ـــــ جو مسلمانوں کے نزدیک بالعموم 'لیلۃ القدر' ہوتی ہے اس مبارک رات قرآن پاک کا نزول ہوا ـــ اِنَّـا اَنْـزَلْنٰهُ فِیْ لَیْـلَةِ الْقَدْر ـــ ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں اُتارا اور اس رات مسلمان بالعموم عبادات میں مشغول تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس ملک کا قرآن مجید سے الحاق کا فیصلہ نوشتۂ دیوار بنا دیا۔

☆ 1948ء کا دوسرا یومِ آزادی ایسا تھا کہ عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ یومِ آزادی کی پریڈ میں 25 اسلامی ملکوں کے سفیر اور ان کے فوجی دستے اس میں ملّی یکجہتی کے لئے شریک تھے اس وقت پاکستان مسلمانانِ عالم کی آنکھوں کا 'تارا' اور اسلام کے تابناک مستقبل کی نوید بن کر اُبھرا تھا۔

☆ 1949ء کے تیسرے یومِ آزادی کے موقع پر 33 ممالک کے سفراء اور فوجی دستے آزادی کی پریڈ میں شامل تھے جو گذشتہ سال سے بھی زیادہ۔ مارچ 1924ء میں ترکی میں سقوطِ خلافت پر جس انداز میں عالم اسلام میں زلزلہ محسوس کیا گیا اور جنوبی ایشیا میں تحریک خلافت چلی تھی مسلمانانِ عالم کے نزدیک پاکستان اس 'خلافت کے احیاء' کے خواب کی تعبیر بن کر سامنے آرہا تھا اسی لئے مسلمانانِ پاکستان ہی نہیں مسلمانانِ عالم کے دلوں کی دھڑکن بن گیا تھا اور عالم اسلام کے مسلمانوں کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔

☆ افسوس کے بیسویں صدی کے نصف النہار میں، جمہوریت پرست مغربی اقوام، اسرائیل نواز عیسائی حکومتیں، اقوامِ متحدہ، عالمی صہیونیت کے مخصوص انسان دشمن اور ابلیسی اداروں

کے راستوں کی یہ رکاوٹ 'مسلم پاکستان' سب کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔1949ء میں قراردادِ مقاصد منظور ہوگئی تو گویا ـــــ 'عوام کی حاکمیت' کے بت کو پاش پاش کر دیا گیا۔اسی غصے میں وزیراعظم پاکستان کو امریکہ بلا کر اسرائیل کو تسلیم کرنے کا دباؤ ڈالا گیا اور انکار کرنے پر واپس آنے کے بعد اکتوبر 1951ء میں راولپنڈی میں شہید کرا دیا گیا۔

---

7 اس دن کے بعد سے پاکستان عالمی صہیونی سازشوں کا شکار ہے اور اس قدر گہری سازشیں کہ الامان الحفیظ،اس کے باوجود قرآن مجید میں ہے کہ

وَمَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ O (54:03)

''اور انھوں نے منصوبہ بندی کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی منصوبہ کی اور اللہ تعالیٰ بہترین منصوبہ بندی کرنے والا ہے۔''

مارنے والا طاقتور اور بے رحم ہے تو بچانے والا زیادہ قوی اور رؤف ورحیم ہے۔پاکستان ان مشکل حالات میں بچ بچا کر اب خاص قسم کی کیفیات میں کامیابی کی منزل کے نزدیک کھڑا ہے۔

☆ ہمارے نزدیک پہلے چالیس سال مغربی صہیونی طاقتوں کے ذریعے پاکستان کو دبایا گیا تو پاکستان مشکلات کا شکار رہا اور حالات خراب ہوتے چلے گئے۔تاہم اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد سے اب اگلے چالیس سال کے منصوبے میں حالات روبہ ترقی ہیں اور ہم نے کئی کامیابیاں حاصل کر کے اپنی منزل کو قریب کر لیا ہے۔متعدد دینی جماعتوں کی اجتماعی کاوشوں میں مسلمان نوجوانوں میں ایک عزم اور ایک ولولہ ہے اور اگلے چالیس سال کے ختم ہوتے ہوتے پاکستان میں اچھی حکومتیں،احترامِ جان و مال،اعلیٰ اقدار،باعمل مسلمان قیادت اور انصاف کی فراہمی یقینی ہوگی اور اکیسویں صدی کے تیسرے عشرے کے اختتام تک پاکستان ـــــ ایک کامیاب اسلامی جمہوری فلاحی ریاست یا 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کا عکس جمیل بن کر دنیا کے نقشہ پر پوری آب وتاب سے چمک رہا ہوگا۔

☆ اہل نظر کو آج یہ عمل کھلی آنکھوں کے ساتھ نظر آ رہا ہے اگلے الیکشن کے موقع پر دفعہ 62-63 کا اطلاق سختی سے کر دیا جائے تو حالات میں جلد بہتر پیش رفت ہوگی،ان شاءاللہ

رمضان المبارک کے مہینے کی دو خصوصی عبادات

دن کا روزہ اور رات کا قیام

مفتی عطاء الرَّحمٰن

اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ عظیم فضل ہے کہ اُس نے ہمیں زندگی میں ایک بار پھر رمضان المبارک کا مہینہ نصیب فرمادیا ہے۔ اس مہینے میں انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن پاک نازل کیا گیا۔ یہ مہینہ رحمت و مغفرت اور جہنم سے آزادی کا پروانہ لے کر آتا ہے۔ اس بابرکت مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے اور بندۂ مؤمن کے دل میں نیکی کا جذبہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس میں نیک اعمال کا اجر و ثواب بھی کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس مہینے کی روحانی برکات کے علاوہ بہت سی ظاہری برکات بھی ہیں۔ اس مہینے کو پا کر اس کی برکات سے فیض یاب ہونا ہی بڑی سعادت ہے اور جو شخص اس مہینے کو پائے لیکن اس سے فائدہ نہ اُٹھائے تو وہ بہت ہی بدنصیب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَاِنَّ الشَّقِیَّ کُلَّ الشَّقِیِّ مَنْ حُرِمَ فِیہِ رَحْمَۃَ اللّٰہِ (سراسر بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا)۔ اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ ''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے تو تین بار فرمایا: آمین، آمین، آمین۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے تھے انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، کہو آمین۔ میں نے کہا آمین۔ اور ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے اپنے ماں

باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، کہو آمین۔ میں نے کہا آمین۔ اور ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا تذکرہ ہو اور وہ آپ پر صلوٰۃ نہ بھیجے، کہو آمین۔ میں نے کہا آمین''۔ لہٰذا اس مہینے کی برکتیں اور رحمتیں حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرنا چاہیے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ دیگر واجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس ماہ کی خصوصی عبادات کو بھی پابندی اور آداب کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اس مبارک مہینے کی خصوصی عبادات دو ہیں: ایک دن کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا (بیہقی، عن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک کے (دنوں میں) روزہ رکھنا فرض قرار دیا ہے اور اس کی راتوں کو کھڑا ہونے (یعنی تراویح پڑھنے) کو غیر فرض عبادت قرار دیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا، غُفِرَ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (متفق علیہ)

''جس نے رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے گئے۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا، غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (بخاری)

جس نے رمضان کے مہینے میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے گئے۔

اس ماہِ مبارک کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس میں انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل ہوا، اور قرآن مجید سے وہ لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں جن میں تقویٰ ہو (ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ) اور روزہ رکھنے سے 'تقویٰ' حاصل ہوتا ہے۔ روزہ اور قرآن کی اس مناسبت کی وجہ سے روزے کی فرضیت کے لیے اُس مہینے کو خاص کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، تاکہ دن کے روزہ سے تقویٰ حاصل ہو۔ اور اس کے ساتھ رات کا قیام یعنی تراویح کو سنت مؤکدہ قرار دیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید پڑھنے/سننے اور سمجھنے سے ہدایت حاصل ہو جائے اور قرآن کے نورِ ہدایت سے اہل ایمان کے دل منوّر ہو جائیں۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق۔

روزہ کس طرح مکمل ہوتا ہے؟

شیخ عمر فاروق
کی کتاب ''شریعت اسلامیہ کے محاسن'' سے ایک باب

اسلام میں عبادت کا ثمرہ تقویٰ ہے اور یہ وہ قوی احساس ہے کہ جس سے ہر وقت بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف سمایا رہتا ہے اور وہ اس کی نافرمانی سے بچا رہتا ہے اور تقویٰ کی دولت سے وہی شخص بہرور ہوتا ہے جو اپنے آپ کو چند اصولوں اور ضابطوں کا پابند بنالیتا ہے۔ روزہ کو لیجیے، یہ صبح تا شام محض کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں ہے، اس کو قیمتی بنانے کے لیے چند باتوں کی پابندی ضروری ہے۔ آیئے غور کریں کہ وہ پابندیاں کون سی ہیں جس سے روزہ قیمتی بن جاتا ہے۔

زبان کی حفاظت

لایعنی اور لغو گفتگو انسان کے لیے بہت سے مصائب و مشکلات پیدا کرتی ہے، کسی بھی لڑائی جھگڑے کا آغاز زبان درازی سے اور اس کا اختتام دست درازی پر ہوتا ہے۔ قرآن وسنت میں حفاظت زبان پر بڑی تاکید آئی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ (بخاری)

''جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ ہمیشہ کلمۂ خیر اپنی زبان سے ادا کرے ورنہ خاموش رہے۔''

مطالعہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی اچھی بری گفتگو کا بھی ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡهِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ (18:50)

''انسان کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران موجود ہوتا ہے۔''

آیئے اب دیکھیں کہ روزہ دار کو اس بارے کیا ہدایت ہے۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روزے دار کو چاہیے کہ وہ بے حیائی اور بری باتوں سے کنارہ کش رہے، شور و شغب سے پرہیز کرے، اگر کوئی اسے گالی دے یا لڑائی کا ارادہ کرے تو وہ یہ الفاظ کہہ کر الگ ہو جائے کہ میں روزے سے ہوں۔'' (بخاری، کتاب الصوم)

روزہ دار حفاظت زبان سے ایسی تربیت حاصل کر لیتا ہے جو اس کے لیے زندگی میں سودمند اور کارآمد ثابت ہوتی ہے ورنہ اسی زبان سے نہ معلوم کتنے نقصانات ہو جاتے ہیں۔ امام غزالی کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزے میں ان دونوں کی حالت غیر ہوگئی، پیاس کی شدت سے ان کی جان لبوں پر آ گئی، دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کھولنے کی اجازت منگوائی، آپ نے دونوں کے پاس ایک بڑا پیالہ بھیجا اور حکم دیا کہ دونوں اس میں قے کریں، دونوں کی قے میں خون کے ٹکڑے نکلے، یہ دیکھ کر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں عورتوں نے ان چیزوں سے تو روزہ رکھا جو اللہ نے حلال کی ہیں اور ان چیزوں سے روزہ توڑا جو اس نے حرام کی ہیں۔ یہ دوسروں کی غیبت کرتی رہیں یہ انسانوں کی بوٹیاں ہیں جو ان کی قے میں نکلی ہیں۔''

قرآن حکیم نے غیبت کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے:

وَ لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ O (12:49)

''تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ؟ تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک

اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

آنکھ، کان کی حفاظت

حواسِ خمسہ میں کان اور آنکھ بہت سی خطاؤں کے مرتکب ہوتے ہیں اور بہت سی برائیوں کی راہ کھولتے ہیں، برائی اور بے حیائی کا آغاز آنکھ ہی سے ہوتا ہے اور حرص و ہوس کی خواہشات بھی اسی سے پلتی بڑھتی ہے اور پھر کان انہیں برائیوں کو جگہ دیتے ہیں جس سے دل و دماغ متأثر ہوتے ہیں اور زندگی میں حلال وحرام کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ اب ایسے روزہ دار جو روزہ تو رکھ لیتے ہیں مگر اس کا حق ادا نہیں کرتے، ایک بزرگ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ''بہت سے روزہ دار روزے تو پابندی سے رکھتے ہیں لیکن وہ یہ فکر نہیں کرتے کہ جس چیز سے روزہ افطار کر رہے ہیں وہ حلال ہے یا حرام! وہ دن بھر غیبت سے پیٹ بھرتے ہیں، اجنبی چہروں سے آنکھیں سینکتے ہیں اور ذرا باک نہیں کرتے، فضول گفتگو میں لگے رہتے ہیں اور شیطان انہیں اطمینان دلاتا رہتا ہے کہ آپ روزہ دار ہیں، یہ بھی شیطانی دھوکہ ہے۔''

شریعت اسلامیہ نے کان اور آنکھ کی حفاظت اور نگہبانی پر بہت زور دیا ہے، یہ بات یاد رکھیے کہ روزہ آنکھ اور کان کا بھی ہے، نہ آنکھ بدنظری کا شکار ہو اور نہ کان بری باتوں کو جگہ دیں بلکہ دل و دماغ غلط سوچ اور فکر سے مبرا ہوں۔ علامہ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اِذَا صُمْتَ فَلْیَصُمْ سَمْعُكَ وَ بَصَرُكَ وَ یَدُكَ وَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْكَ

''جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ تیرے کان، آنکھیں، ہاتھ اور ہر عضو روزہ کی حالت میں رہیں (تو انھیں حرام باتوں سے بچاتا رہے)۔''

قرآن حکیم مسلمان خواتین وحضرات کو نصیحت کرتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ

''مؤمن مردوں سے کہیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے پاکیزگی کی راہ ہے.....۔'' (30:24)

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ .....

''اور مومن خواتین سے بھی کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی عزت

وناموس کی حفاظت کریں (یہ ان کے لیے شائستہ اور پاکیزہ زندگی گزارنے کا راستہ ہے)۔'' (31:24)

قرآن حکیم نے اس بات کی حتمی نشاندہی کردی ہے کہ انسان کے اعضاو جوارح کے متعلق بھی یومِ جزاء باز پرس ہوگی:

اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡئُوۡلًا (36:17)

''بے شک کان، آنکھ اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اسلام انسان کو اللہ تعالی کا پسندیدہ بندہ بنانا چاہتا ہے کہ اس کی مخلوقات میں گل سرسبد وہی ہے اور اشرف المخلوقات کا تاج بھی اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔

غرباء اور مساکین کی مدد: علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''روزہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ اُن مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے، جن کو معدوں کی آگ بجھانے اور اپنے جگر کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سامان نصیب نہیں ہے۔'' (زادالمعاد)

اس لیے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غربا و مساکین، بیواؤں اور یتیموں کی ہمیشہ دست گیری فرمائی اور رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت کا حال سنیے:

> سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں اور بھی زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ جنابِ جبرائیل علیہ السلام رمضان میں ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے اور آپ سے قرآن کا دور کرتے۔ تو جب جناب جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز ہوا سے زیادہ سخاوت فرماتے۔ (بخاری، کتاب بدء الوحی)

ہماری مادی نگاہیں عظمت اور سربلندی اس بات میں تلاش کرتی ہیں کہ فلاں پہاڑ کی چوٹی سر کرلی، فلاں گھاٹی کو قبضہ میں لے لیا، فلاں پر جھنڈا لہرا دیا اور فلاں فلاں نئی ایجادات میں اضافہ ہوا مگر قرآن کی نگاہ میں عظمت یہ ہے کہ گردنیں چھڑانے کی گھاٹی طے کرو (جو مظلوم ظالموں کے پنجہ استبداد میں پس رہے ہیں)۔ قحط اور فاقہ کے زمانے میں قرابت دار یتیموں، لاچار اور خاک میں ملنے والے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاؤ ان کی ضرورتیں پوری کرو (یہ حقیقی گھاٹی جس کو

طے کرنے پر فخر کیا جاسکتا ہے)(14-13:90)

روزہ اور نماز: روزہ ہمہ وقت عبادت ہے اور بندہ جب تک اس میں اپنے مولا و مالک کے لے سراپا فرمانبردار نہ بنے اس کے ثمرات سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا، نماز بھی اسی مولا و مالک کی پکار پر دن میں پانچ بار اس کے دربار میں حاضری اور اُس کی چوکھٹ پر جبین نیاز کو جھکانا ہے۔ بندہ عجز و خاکساری کے ساتھ آقا سے اپنی خطاؤں اور غلطیوں پر نادم ہوکر معافی کا خواستگار رہوتا ہے اور ہدایت و رہنمائی کی جستجو کرتا ہے۔ بعض لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے گویا کہ مالک کا ایک حکم مان لیا اور دوسرا نظر انداز کر دیا، کیا ایسے لوگ پورے پورے معاوضہ کے حقدار بن سکتے ہیں؟ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ وہ آقا کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دے۔

روزہ اور محاسبہ: روزہ کو قیمتی بنانے کے لیے محاسبہ کو بڑا دخل ہے یعنی بندۂ مومن ہر وقت اپنے اعمال پر نظر رکھے ایسا نہ ہو کہ اس سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوجائے اور اس کے روزے کے اجر و ثواب میں کمی آجائے، اس بات پر جنابِ رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه (بخاری)

''جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے سابقہ سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

راہِ حق پر قائم رہنے کے لیے ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔ انسان کے دو بڑے دشمن ہیں ایک ظاہری دشمن شیطان جو اُسے فواحش و منکرات کی طرف لے جاتا ہے اور دوسرا باطنی دشمن نفس امارہ جو اُسے ہر وقت حرص و ہوس پر اُکساتا رہتا ہے۔

اسلام میں عبادات کا مقصد انسان میں تزکیہ و طہارت پیدا کرنا ہے، صوم و صلوٰۃ کے ذریعے بندۂ مومن کو رب کائنات کی طرف سے روشنی ملتی ہے، وہ اس کی رحمت سے زندگی کا سفر طے کرتا ہے اور اس کے فضل سے فوز و فلاح سے ہمکنار ہوجاتا ہے اور ان دشمنوں پر اُس کی رحمت سے حاوی ہوجاتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام
اوران کے حکیمانہ اقوال

عتیق الرحمن صدیقی
ہری پور ہزارہ

وَ اذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّاO وَّ رَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّاO
''اوراس کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کرو وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا اور اسے ہم نے بلند مقام پر اٹھایا تھا'' (19:56-57)

حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض انہیں بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی بتاتے ہیں۔ اکثریت کا رجحان اس طرف ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے بھی پہلے گزرے ہیں۔ بیضاوی لکھتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے آباء میں سے تھے (بحوالہ ڈاس ۱۹۲) یہ آدم کی پشت میں ساتویں تھے، بائبل میں آپ کو حنوک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق بائبل کا بیان ہم تفہیم القرآن کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں:-

''اور حنوک پینسٹھ برس کا تھا جب اس سے متوسلح پیدا ہوا اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا.....اور وہ غائب ہو گیا کیوں کہ خدا نے اٹھالیا'' (تفہیم القرآن جلد سوم)

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے جب بنی آدم میں بگاڑ کی ابتدا ہوئی تو خدا کے فرشتے نے حنوک کو، جو لوگوں سے الگ تھلگ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے پکارا کہ ''اے حنوک' اٹھو، گوشۂ عزلت سے نکلو اور زمین کے باشندوں میں چل پھر کر ان کو وہ راستہ بتاؤ جس پر ان کو چلنا چاہئے.....'' یہ حکم پا کر وہ نکلے اور انہوں نے جگہ جگہ لوگوں کو جمع کر کے وعظ و تلقین کی اور نسل

انسانی نے ان کی اطاعت قبول کر کے اللہ کی بندگی اختیار کر لی۔ (بحوالہ تفہیم القرآن)

آیۂ کریمہ کے دوسرے حصے کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر کو نہایت اہم مقام سے نوازا۔ آسمان پر اٹھا لینے کی بات استنادی اعتبار سے درست نہیں۔

شاس صفحہ ۱۵۸ پر لکھا ہے کہ آپ تحریر (خطاطی)، نجوم، حساب، تاریخ، طب اور جامہ دوزی کے موجد تھے، آپ علیہ السلام کی عمر ۳۶۵ برس تھی اور یونانی آپ کو ہرمز یا ہرمیس کہتے تھے۔ آپ علیہ السلام کو ایک صحیفہ بھی ملا تھا جو حبشہ میں آج بھی موجود ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر گئے تو آسمان چہارم پر حضرت ادریس علیہ السلام سے بھی ملے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا یونانی نام ہرمیس یا طرمس (عطارد) تھا اور عبرانی خنوع یا اخنوع۔ ان کے استاد بھی نبی تھے اور اورین دوم کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ادریس اورین سوم کہلاتے تھے، اورین کے معنی نیک بخت کے ہوتے ہیں۔ علماء سے بعض کا خیال ہے کہ بابل میں پیدا ہوئے، وہیں بڑے ہوئے۔ جب وہ عمر نبوت کو پہنچے تو اللہ نے آپ کو آدم وشیث کی شریعت عطا کی تھی۔ قوم نہ مانی تو آپ بابل کو چھوڑ کر مصر میں نیل کے کنارے جا آباد ہوئے۔ آپ علیہ السلام کے پیروؤں نے جگہ جگہ بستیاں قائم کیں جو تعداد میں ۱۸۸ تھیں۔ آپ علیہ السلام نہ صرف حکمت کے موجد تھے بلکہ یہ چیز انہیں وحیاً سکھائی گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے نظم ونسق کی خاطر چند بادشاہ بھی مقرر کئے۔

آپ علیہ السلام کا قد اونچا تھا، چہرہ حسین تھا، جبین کشادہ رکھتے تھے، چوڑا سینہ اور روشن آنکھیں، رفتار وگفتار میں متین اور سنجیدہ۔

آپ علیہ السلام کی خاتم پر یہ الفاظ کندہ تھے: ''کامرانی ایمان وصبر کا نتیجہ ہے''۔ کمر بند پر مرقوم تھا: ''مذہبی زندگی کی تکمیل جواں مردی کی انتہا ہے''۔ ایک اور کمر بند پر لکھا تھا: ''اللہ کے ہاں سب سے بڑی سفارش نیک اعمال ہیں''۔ آپ علیہ السلام کے اقوال نہایت فکر افروز، جامع اور سوچوں کو جلا دینے والے ہیں، ان میں حکمت کے بے شمار جوہر پنہاں ہیں۔ فرماتے ہیں:

☆ اللہ کا شکر ادا کرنا سہل ہے اور لوگوں کا مشکل۔ ☆ جھوٹے کو قسم نہ دو، ورنہ اس کے گناہ میں برابر کے شریک سمجھے جاؤ گے۔ ☆ علم وحکمت سے دل زندہ ہوتے ہیں۔ ☆ قناعت کو چھوڑنے والا کبھی دولت مند نہیں ہوسکتا۔ (بحوالہ معجم القرآن۔ از ڈاکٹر برق)

امریکی ومغربی سوسائٹی کی اندھادھند تقلید؟
ہماری نوجوان نسل کے لئے لمحہ فکریہ

ابوفیصل محمدمنظورانور جھنگ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس وقت پوری دنیا پر امریکہ کا غلبہ ہے اور وہ اپنی فوجی برتری کے زعم میں جہاں چاہتا ہے مداخلت کر کے اپنی مرضی کی حکومتیں تشکیل دے کر ان کے وسائل پر قبضہ کر لیتا ہے اقوامِ عالم میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جو امریکہ کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے محفوظ ہو دنیا بھر کے کمزور ممالک ہمیشہ سے اس کی فوجی طاقت کا شکار رہے ہیں اگرچہ کئی عشروں سے دنیا بھر کے ممالک بالعموم اور مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک بالخصوص امریکی ظالمانہ پالیسیوں کی زد میں رہے ہیں مگر جب سے اُمت مسلمہ میں بیداری اور اسلامی حکومتوں کے قیام کی کوششیں تیز ہو رہی ہیں اور جہاد کی تحریکیں شروع ہیں اس کی وجہ سے امریکی پالیسی سازوں کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں جہاں کہیں بھی راسخ العقیدہ مسلمانوں کو قیادت نصیب ہوتی ہے امریکہ ان کی حکومتوں کو گرا کر حتی المقدور اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کرنے کی کوششیں کرتا ہے حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ امریکی تھنک ٹینک کا من پسند مشغلہ ہے یہاں تک کہ وہ نام نہاد نیٹو اتحادیوں کے گٹھ جوڑ سے ان کمزور ممالک پر جنگ مسلط کر لیتا ہے یا خانہ جنگی میں دھکیل دیتا ہے عراق لیبیا، مصر، افغانستان، یمن، ٹیونس، شام، فلپائن اور کئی دیگر مسلم ممالک میں افراتفری اس کی واضح مثالیں ہیں جہاں کے رہائشیوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے اور لاکھوں افراد بے گھر ہو کر دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں اس سلسلے میں جمہوریت کے نام نہاد چمپئن کی دوغلی پالیسی واضح

طور پر سامنے آجاتی ہے کہیں آمریت کی جگہ جمہوریت اور کہیں جمہوریت کی جگہ آمریت کو کھل کر سپورٹ کرتا ہے اس طرح وہ دنیا پر اپنی برتری قائم رکھنا چاہتا ہے کمزور ممالک اس کی دہشت گردی اور جنگی صلاحیت کے سامنے بے بس ہیں امریکہ مقاصد کی تکمیل کے لئے اسے دنیا بھر میں اقتدار کے رسیا ننگ قوم و وطن افراد مل جاتے ہیں جو سی آئی اے کی سازشوں کے بل بوتے پر تیسری دنیا کے ممالک پر امریکی آشیر باد سے حکومتیں قائم کر کے اقتدار کے مزے لوٹتے ہیں بدقسمتی سے اس وقت وہ دنیا بھر کی واحد سپر پاور بن چکا ہے دنیا بھر میں قیام امن کا ٹھیکیدار امریکہ اس وقت خود عالمی امن کے لئے خطرہ کا باعث ہے اس وقت دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جو امریکی سازشوں سے محفوظ ہو، تاہم روس کی طرف سے انگڑائی ایک خوش کن خبر ہے شاید امریکہ کو لگام مل سکے اور دنیا میں اس کی ریشہ دوانیوں میں کمی آجائے۔

9/11 کے خود ساختہ واقعہ کے بعد امریکہ اپنی غلط اور ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے خود غیر محفوظ ہو چکا ہے عراق اور افغانستان میں اربوں ڈالرز کا گولہ بارود پھونک کر اسے تورا بورا بنانے والے اور دنیا بھر کی غریب اور کمزور اقوام اور ممالک کو اپنا غلام بنانے والے امریکہ کے اپنے عوام کی حالت کیا ہے؟ اخلاقی طور پر موجودہ دور کی دنیا کی بدترین قوم بھی کہا جائے تو بجا ہوگا کیونکہ امریکی معاشرہ اخلاقی دیوالیہ پن کی آخری حدوں کو بھی عبور کر چکا ہے خوف آتا ہے کہ کہیں امریکیوں کی بداعمالیوں کے باعث پوری دنیا اللہ تعالیٰ کے عتاب کا شکار ہو کر کسی بڑے عذاب کے باعث تباہ و برباد نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔

ایک رپورٹ کے مطابق ''امریکہ گناہوں کی دلدل میں'' کے عنوان سے لکھی جانے والی جیمز پیٹرسن اور پیٹر کم کی کتاب پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں مصنّفین نے امریکی قوم کی اصلیت واضح کر دی ہے جس سے امریکی معاشرے کا اصلی چہرہ واضح ہو کر سامنے آگیا ہے یہ چشم کشا رپورٹ پڑھ کر انسانیت بھی شرما جاتی ہے کیونکہ اخلاقی زوال کی ایسی عبرت ناک مثال دنیا کے کسی ملک میں شاید اور کہیں نہیں ملتی ہے

''امریکہ میں 43 فیصد افراد منشیات کے عادی ہیں جن میں 53 فیصد لبرل اور 30 فیصد قدامت پسند شامل ہیں، 23 فیصد افراد میری جوانا کے عادی، 6 فیصد

کوکین، ایک فیصد ایل ایس ڈی یا، ایک فی صد سے کم حشیش ہیروئن اور ایکسٹیسی کے عادی ہیں۔ خاندانی نظام ختم ہونے کی وجہ سے منشیات کے استعمال، نسلی امتیاز، غربت اور جرائم میں اضافہ ہو چکا ہے۔ شراب یہاں کا مقبول نشہ ہے، تین کروڑ امریکی شراب کے عادی ہیں۔ ایک کروڑ 90 لاکھ امریکیوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ شراب کے نشے کے عادی ہیں یہ لوگ دوسروں کے لئے بھی مسائل کھڑے کرتے رہتے ہیں۔ ہر سال تقریباً چار لاکھ پچاس ہزار شرابی ڈرائیورز کو گرفتار کیا جاتا ہے اخلاقی زوال کی شرح عورتوں کی نسبت مردوں میں زیادہ ہے۔ اخلاقی قیادت کا فقدان ہے۔ نوجوان نسل جرائم پیشہ اور تشدد پسند ہے کسی بھی قانون کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ جھوٹ امریکی کلچر کا جزو لاینفک بن چکا ہے۔ کمیونٹی کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ دوشیزگی کا بحران، کمسنی میں جنسی استحصال، ہم جنس پرستی، زنا کے بڑھتے ہوئے واقعات کے باعث شادی کی روایت ختم ہو چکی ہے۔ طلاق کی شرح میں انتہائی حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ ایک مادر پدر آزاد معاشرہ وجود میں آچکا ہے جو شادی کے بندھن سے آزاد رہ کر بیوی بچوں کا بوجھ سنبھالنے کو قطعی طور پر تیار نہیں ہے۔ والدین کی بے حرمتی اور سزائے موت امریکیوں کا خبط بن چکا ہے۔ ملکی تمام بڑے اداروں کے بارے میں امریکیوں کا اعتماد ختم ہو چکا ہے تاہم اس سب کچھ کے باوجود 91 فیصد محبّ وطن ہیں، 79 فیصد کو یقین ہے کہ امریکہ کو دنیا میں ایک خصوصی کردار ادا کرنا ہے، 79 فیصد اپنے ملک کو جمہوریت کا چمپئن تصور کرتے ہیں، معیار زندگی کے حوالے سے 68 فیصد جبکہ عالمی اور اخلاقی قیادت کے لحاظ سے 65 فیصد اور فوجی و عسکری اعتبار سے 63 فیصد اپنے آپ کو دنیا میں اوّل درجہ پر فائز سمجھتے ہیں۔ امریکہ کی کل آبادی کا 60 فیصد کسی نہ کسی بڑے جرم کا نشانہ بن چکا ہے ہر پانچ میں سے ایک امریکی ہم جنس پرست ہے امریکی شادی کے قائل نہیں رہے ایک تہائی شادی شدہ مردوں اور عورتوں کا کم از کم ایک معاشقہ چل رہا ہے 80 فیصد امریکی اپنے سکولوں میں اخلاقی تعلیم کے حق میں ہیں اگرچہ شدید قسم کی نسل پرستی ختم

ہو چکی ہے تاہم ایک نئی قسم کی نسل پرستی نے اس کی جگہ لے لی ہے امریکی عورتیں مردوں سے ہر شعبے میں برتر ہیں وہ مردوں کے مقابلے میں جھوٹ کم بولتی ہیں ان میں احساس ذمہ داری بھی زیادہ ہے امریکی پریس کو ٹی وی کے تخیلاتی کرداروں سے بھی کم درجہ دیتے ہیں''۔

دوسری طرف یورپ میں انگلستان سمیت کئی دوسرے ممالک کی روشن خیالی نے تو باقاعدہ ہم جنس پرستوں کی شادیوں کا قانون منظور کر لیا ہے اس قانون بارے برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کے ریمارکس اس قوم کے اخلاقی دیوالیہ پن کی عبرت انگیز مثال ہیں، وہ یوں گویا ہیں:

Prime Minister David Cameron said 'sexual orientation should be neither here nor there' as people are helped to achieve their full potential - including becoming He added that more role models - either straight or gay - were needed to encourage best behaviour in sport, adding clubs 'must tackle problems on the terracIn an open letter, Mr Cameron said he was proud to be PM of a country judged to be the 'best place to live in Europe if you are lesbian, gay, bisexual or trans(gender)', adding the Government was attempting to fight prejudice where it remainsOn sport, the Conservative went on: 'We are working to break down barriers in sport, too. People should be able to excel in sport regardless of their sexuality - but we know how hard it's been'We have seen the enormously positive reaction to people like Thomas Hitzlsperger and Gareth Thomas being open about their sexuality, and hopefully that will encourage others to be more open too 'But we need more role models, straight and gay, to encourage the best behaviour and

clubs must tackle problems on the terraces."

''وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے کہا: لوگوں کے جنسی رویے کے تعین کے بارے میں نہ صرف یہ کہ کسی قسم کی قید نہیں ہونی چاہیے بلکہ انہیں اس سے مکمل طور پر محظوظ ہونے کا موقع ملنا چاہیے۔ انھوں نے مزید زور دیا کہ اس تفریحی رویے کی حوصلہ افزائی رول ماڈلز اور تفریح گاہوں یعنی کلبوں کو آزاد اور کھلی فضا فراہم کرنی چاہیے۔ کیمرون کا کہنا ہے کہ وہ ایک ایسی ریاست کا وزیراعظم ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں جو لزبئین یا ہم جنس پرستوں کے لیے پورے یورپ میں ممتاز مقام رکھتی ہے جہاں کی حکومت تفریح کے قدامت پرستانہ تعصّبات سے برسرپیکار ہے اور ایسی تمام رکاوٹوں کو ختم کر دینے کا عزم رکھتی ہے اور اس کے لیے کوشاں ہے۔ لوگوں کو بلاتفریق جنسی تفریح سے مکمل طور پر آزادئ عمل حاصل ہونی چاہیے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس میں کس قدر مشکلات کا سامنا ہے ہمیں علم کہ تھامس ہلز برجر اور گارتھ تھامس جیسے لوگوں کے جنسی رویوں پر لوگوں نے کیا مثبت ردّعمل ظاہر کیا ہے تاہم پھر بھی نہ صرف رول ماڈلز کی موجودگی اور کلبوں کی آزاد فضا کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں''

یہ چشم کشا رپورٹس ان اقوام کے اخلاقی دیوالیہ پن کی عبرت انگیز مثال ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود نہ جانے ہم کیوں امریکیوں اور یورپی ممالک کی تقلید میں پاگل ہو رہے ہیں اور ایسا کرنا قابل فخر سمجھتے ہیں۔ اس وقت ہمارے مسلم معاشرے کی حالت بھی قابل غور ہے یہ ایک کڑوا سچ ہے کہ ہمارے نوجوان بھی مغربی روشن خیال معاشرے کی اندھا دھند تقلید کر کے گناہ آلود امریکی و مغربی معاشرے کی ثقافت اپنا رہے ہیں اگرچہ اس کی شرح ابھی کم ہے تاہم وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق حکومت پاکستان ایک ارب ڈالرز کے عوض پاکستان کے تعلیم اداروں میں A, O لیول کے تعلیمی نصاب میں جنسی تعلیم دینے پر راغب ہو چکی ہے اور ہم اپنے سکولوں میں جنسی تعلیم دینے کو بھی تیار ہیں جس کے باعث آئندہ چند سالوں میں نئی نوجوان نسل کی جو کھیپ سامنے آئے گی اسلامی روایات و اخلاقیات سے عاری اور اخلاقی دیوالیہ پن میں لتھڑی ہوگی پھر معاشرہ میں اخلاقی قدروں کی جو درگت بنے گی وہ قابل

تحریر نہیں ہیں حالانکہ اب امریکہ بھی اپنے سکولوں میں اخلاقی تعلیم دینے کی خواہش رکھتا ہے مگر ہم ڈالرز کے عوض اپنی اسلامی روایات، اخلاقیات اور اسلامی تشخص کو بھی مٹانے پر تل گئے ہیں ہمارا مذہب ہمیں ایک مکمل اسلامی اخلاقی تعلیم کا درس دیتا ہے ایسے ملک کی تقلید کرنا جو خود قابل اصلاح ہو، ناقابل فہم بات ہے۔ امریکہ اپنی اخلاقی گراوٹ سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لئے دوسرے ممالک میں جا کر مداخلت کرتا نظر آتا ہے ایسے گمراہ معاشرے کی تقلید کر کے ہم کیا حاصل کر پائیں گے۔ یہی حال دیگر مغربی ممالک کا ہے ننگ انسانیت اس گندی غلاظت سے بھرپور سوسائٹی کو آئیڈل سمجھ کو اپنے مذہب، دین وملت سے دوری رکھنے والے عناصر ان کی اور اپنی اداؤں پر غور کریں کیا ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اشرف المخلوقات کا درجہ دے کر دنیا میں بھیجا ہے ہمارا میڈیا جو کچھ دکھا رہا ہے اس میں امریکی سوسائٹی کی صحیح عکاسی ہو رہی ہے اور جس میں عریانی فحاشی کی جھلک موجود ہے فیشن کے نت نئے انداز ماڈلز کے ریمپ پر چال چلنے کے انداز اور مختلف چینلز پر فحاشی اور جسمانی نمائش کے نظارے ہماری اسلامی قدروں کو پامال کر رہے ہیں جو ہماری تباہی کا پیش خیمہ ہے اسی وجہ سے روزانہ اخبارات میں کم سن بچیوں اور کم عمر بچیوں کے ساتھ جنسی تشدد کی خبریں مسلسل پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ میڈیا کو کسی قانون اور اخلاقی ضابطہ اخلاق کا پابند بنائے بغیر ہم ان روح فرسا واقعات سے جان نہیں چھڑا سکتے۔ چند مغرب زدہ خواتین وحضرات پوری قوم کو اپنی خواہشات کے تابع کر کے بے حیائی اور بے غیرتی کے گہرے کنویں میں پھینکنا چاہتے ہیں۔ درج بالا سطور کو دیکھ کر کوئی بھی ذی شعور انسان آنے والے وقت کی پاکستانی سوسائٹی کے اخلاقیات بارے صحیح طور پر اندازہ لگا سکتا ہے۔

امریکی معیشت کی حالت زار پر امریکی عوام کی نفرت میں اضافہ

اس کے ساتھ ہی امریکی معیشت بارے عالمی شہرت یافتہ تجزیہ نگار ایلن ووڈز کہتے ہیں: ''امریکہ ساری دنیا میں امیر اور غریب کے درمیان فرق کو اور بڑھا رہا ہے طبقاتی تقسیم جو بہت پہلے ختم ہو جانی چاہیے تھی معاشی عروج کے وقت بھی اس میں کمی کی بجائے اضافہ ہو چکا ہے آج 20 فیصد امیر ترین امریکی ملک کی نصف دولت کے مالک ہیں جبکہ غریب ترین 20 فیصد کے پاس بمشکل 4 فیصد ہے۔ ساری عالمی تجارت پر 200 کے قریب بڑی کمپنیوں کا قبضہ ہے جن میں

سے اکثریت امریکہ میں قائم ہیں۔ کروڑوں امریکیوں کی زندگی اور تقدیر ان مٹھی بھر کارپوریشنوں کے مالکان کے ہاتھوں میں ہے جنھیں امریکی شہریوں کی اکثریت کے مفادات سے قطعی طور پر دلچسپی نہیں اور باقی دنیا کی عوام بارے تو سرے سے کوئی غرض ہی نہیں ہے''۔

مائیکل مور اپنی کتاب ''احمق سفید مرد'' میں لکھتا ہے کہ ''1983ء سے اب تک دنیا کی امیر ترین 200 کمپنیوں کے منافع میں 362.4 فیصد اضافہ ہوا ہے ان کمپنیوں کی مجموعی آمدنی دنیا بھر کے تمام ملکوں کی مجموعی آمدنی سے زیادہ ہو چکی ہے۔ امریکی 82 کمپنیوں میں سے 44 کارپوریشنوں کے ذمہ 35 فی صد ٹیکس ادا نہیں کیا گیا، 17 فیصد نے تو بالکل دیا ہی نہیں ان میں 7 نے تو ٹیکس قوانین کو گول مول کر کے کوئی ٹیکس نہیں دیا جبکہ 1279 کمپنیوں نے جن کے اثاثے 25 کروڑ یا اس سے زائد ہیں کوئی ٹیکس نہیں دیا بلکہ اپنی آمدن صفر کی حد تک ظاہر کی ہے۔ حکمران طبقہ کے ذاتی مفادت کی حفاظت کے لئے تاریخ کی طاقتور جنگی قوت موجود ہے جو بغیر کسی روک ٹوک کے ہر جگہ مداخلت کرتی ہے قانونی اور جمہوری طور پر منتخب حکومتیں گرانا، خانہ جنگیاں کرانا، مبینہ طور پر آزاد ریاستوں پر بم باری اور انھیں تباہ و برباد کرنا اپنا حق سمجھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کروڑوں افراد امریکہ سے نفرت کرتے ہیں''

بزنس ویک کے ایک حالیہ سروے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ عوام میں بے اطمینانی کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ چند سال پہلے سیاٹل میں ہونے والے بڑے مظاہرے پھر آکو پائی تحریک امریکی حکمرانوں کے لئے ایک تنبیہ ہے امریکیوں کی اکثریت کا غصہ اشتعال میں تبدیل ہو رہا ہے یہ تبدیلی منڈی کی معیشت اور دنیا کی مقروض ترین ریاست کے لئے کسی بھی وقت بھیانک خواب میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

دنیا بھر کے غریب ممالک خصوصاً تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک امریکی پالیسیوں کے باعث اپنی عوام کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کے قابل بھی نہیں رہے ان ملکوں کی عوام میں بھی امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے مگر آفرین ہے امریکی حکمرانوں پر کہ وہ داخلی طور پر کھوکھلے ہونے کے باوجود پوری دنیا کو آگے لگا کر ہانک رہے ہیں۔

دین میں زبردستی نہیں

ڈاکٹر ممتاز عمر (کراچی)

سیکولر اور لبرل نظریات کے حامل اکثر و بیشتر قرآن کریم کی اس آیت کا حوالہ دے کر "لَا اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ" (دین میں کوئی زبردستی نہیں) شعائر اسلام کے چھوڑنے کو انفرادی عمل قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ اس آیت کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ یہ آیت تو درحقیقت اس الزام کا جواب ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ یعنی اسلام کی دعوت تو دی جائے گی مگر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے دھونس، زبردستی یا قوت کا استعمال نہیں ہوگا اور بلاشبہ ہمارے اکابرین نے اخوت و محبت اور مساوات کے ذریعے دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا ان کے کردار اور اخلاص کی بدولت کلمہ حق دنیا کے کونے کونے تک پہنچا۔

بلاشبہ دین اسلام قبول کرنے کے حوالے سے تو کوئی زبردستی نہیں لیکن جب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوگا تو اس پر لازم ہے کہ وہ تمام احکامات کی پابندی کو یقینی بنائے۔ اس کے اعمال ذاتی سہی مگر کردار اور قول و فعل کے ذریعے اس کا ہر عمل عوام الناس کے سامنے ہوگا مثلاً نماز کی ادائیگی اس کا ذاتی فعل ہے لیکن اس اہم رکن کو چھوڑ کر وہ خود کو مسلمان کہلوانے کا دعویدار کیسے بن سکتا ہے؟ اس لئے کہ واضح طور پر یہ احکامات موجود ہیں کہ نماز جنت کی کنجی ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ دوران نماز کس قدر انہماک کا مظاہرہ کرتا ہے، اس کا خشوع و خضوع کس درجے پر ہے، وہ تقویٰ کے لحاظ سے کس مقام پر فائز ہے، ان تمام کے باوجود نماز کی ادائیگی کا اہتمام ایک اسلامی معاشرے کے لئے اشد ضروری ہے۔

اسی طرح احترامِ رمضان اور اہتمام رمضان کی اہمیت بھی ایک مسلم معاشرے میں لازمی ہے۔کوئی شخص مسافر یا مریض ہونے کی صورت میں روزہ چھوڑ سکتا ہے لیکن سرعام کھانے پینے کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ جو خواتین وحضرات کسی وجہ سے روزہ نہ رکھیں وہ اپنے کسی عمل سے یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ان کا روزہ نہیں ہے۔جیسا کہ ہمارے معاشرے میں دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ بڑی دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو،نعوذ باللہ من ذالک۔ یہی نہیں اکثریت منہ میں پان، گٹکا،نسوار رکھے نظر آتے ہیں۔کھانے پینے کی اشیاء فروخت کی جارہی ہیں بالخصوص ایسی اشیاء جن کی فروخت شام سے پہلے کرنا احترام رمضان کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتا ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی ارکان اسلام میں اہل ثروت کے لئے فرض ہے،جس کا نصاب مقرر ہے اور جو شخص صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ خود کو مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا کیونکہ امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو منکرین زکوٰۃ کے حوالے سے یہاں تک کہا تھا کہ اگر کوئی شخص اونٹ کی رسی بھی بطور زکوٰۃ دیتا تھا اور اب اس سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔

لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس آیت کو جواز بنا کر کہ ''دین میں سختی نہیں'' ہر شخص کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔اس حوالے سے یہ کہنا پردہ،داڑھی،نماز،روزہ،زکوٰۃ ہر شخص کا ذاتی فعل ہے کسی طرح درست نہیں۔کیونکہ دین میں داخل ہونے کے بعد تو یہ کہا گیا کہ دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر والی کیفیت نہیں ہوگی بلکہ ہر شخص حتی المقدور یہ کوشش کرے کہ اپنے اوپر تمام احکامِ ربانی کے نفاذ کو یقینی بنائے۔اس حوالے سے اس کی رہنمائی کے لئے قرآن کا یہ حکم موجود ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لئے باعث نمونہ ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر پہلو پر عمل پیرا ہو کر دکھایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہمیں زندگی گزارنے کا ہر سبق ملتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھائی، باپ، بیٹے،معلم،سپہ سالار، دوست گویا ہر روپ میں موجود ہیں اسی لئے رب کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کیا ہے۔

جو لوگ پردے یا داڑھی کو ذاتی عمل قرار دیتے ہیں ذرا یہ بتائیں کہ پردہ نہ کرنے کے اثرات کس طرح اسی شخصیت تک محدود ہیں۔کیونکہ عام مشاہدے میں آتا ہے کہ جب کوئی عورت

پردہ نہیں کرتی تو نیم عریاں بناؤ سنگھار کے ساتھ لوگوں کے درمیان آتی ہے، یوں نہ چاہتے ہوئے بھی دعوت گناہ کی مرتکب ہوتی ہے لہٰذا پردہ کرنا اگر ذاتی عمل ہے تو لوگوں کو نشے سے روکنا اور ایسا کرنے والے کو سزائیں دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اگر کوئی شخص گٹکا، مین پوری، نسوار کے ذریعے منہ کے کینسر میں مبتلا ہو رہا ہے تو یہ اس کی اپنی زندگی کا معاملہ ہے۔ حکومت بلاوجہ ان اشیاء پر پابندی کیوں لگاتی ہے؟ اسی طرح چرس اور ہیروئن کے استعمال کو غیر قانونی قرار دینے کا کیا جواز ہے؟ جسم انسان کی ملکیت ہے وہ اسے جس طرح چاہے تکلیف پہنچائے آپ اسے سمجھانے اور قانون کے دائرے میں لانے والے کون ہوتے ہیں؟ بالکل اسی طرح کوئی شخص گھٹیا اور کچی شراب پی کر اپنے گردے خراب کر رہا ہے تو حکومت اس کے بنانے اور پینے والے ہر دو کے خلاف کارروائی کر کے شخصی آزادی میں دخل دینے کی مرتکب ہے۔ اسی حوالے سے ایک اور مثال مدنظر رکھیں کہ جب تک کسی درسگاہ میں باقاعدہ داخلہ نہ لیں وہاں کے قوانین کی پابندی آپ پر لازم نہیں۔ رہیں اس ادارے کی خوبیاں جن کا تذکرہ وہ بڑے جوش و خروش سے کرتا ہے تو یہ محض رغبت کے لئے ہے۔ یہاں زبردستی سے اس ادارے میں آنے کی پابندی نہیں لیکن جب آپ کسی اسکول یا مدرسے میں داخل ہو جاتے ہیں تو پھر نہیں کہہ سکتے کہ یونیفارم پہننا، فلاں کتب خریدنا یا وقت پر آنا اور جانا تو میری ذاتی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ میں جب جیسے کپڑے، جس قسم کی کتابیں لے کر چاہوں آؤں مجھ پر روک ٹوک کیوں؟

جس طرح کسی شخص کو اس کی آزادی نہیں دی جاتی کہ وہ چرس، ہیروئن، شراب، گٹکے، مین پوری وغیرہ کے ذریعے اپنے جسم کو مجروح کر کے زندگی کے خاتمے کا باعث بنا دے بالکل اسی طرح دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو اس بات کا پابند بنایا گیا وہ اپنے قول اور فعل کے ذریعے ان احکامات کی پابندی کو لازم کریں جو قرآن کریم کے ذریعے اور نبی محترم ﷺ کے عمل سے ہم پر لازم کیے گئے ہیں اگر ان حدود سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو حد قائم ہوگی اور اس کے مطابق سزا کے مرتکب ہوں گے۔ جب ہم نے اسلام کو اپنے لیے پسند کیا تو اس کے احکامات پر پابندی کے ذریعے ہی ثمرات حاصل کیے جا سکتے ہیں جو بالآخر انسان کو جنت الفردوس تک پہنچانے کا باعث ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ آمین۔

مسلم معاشروں میں مغربی استعمار سے پہلے خواتین کا چہرے کا پردہ

ڈاکٹر گوھر مشتاق (امریکہ)

(بشکریہ: ماہنامہ میثاق لاہور، جون 2014ء)

جب چشمہ پہاڑ کے اندر سے نمودار ہوتا ہے تو اس کا پانی شفاف آئینے کی مانند ہوتا ہے' لیکن جب یہی صاف پانی نیچے کی جانب میدانوں اور زمینوں کی طرف بہتا چلا جاتا ہے تو راہ میں آنے والی گندگی اور غلاظت اُس پانی کو گدلا اور کیچڑ والا بنا دیتی ہے۔ جو لوگ اشیاء کو سطحی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں' وہ پانی کی آخری حالت کو دیکھ کر یہی سمجھنا شروع کر دیتے ہیں کہ پانی ابتدا سے ہی میلا کچیلا چلا آ رہا ہے۔ یہی مثال مسلمان خواتین کے چہرے کے پردے کے متعلق بھی صادق آتی ہے۔ چودہ سو سال پہلے اسلام کے صاف پانی کا چشمہ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں سے نکلا اور مشرق و مغرب کی طرف بہتا چلا گیا۔ اُس تمام دور میں اسلامی معاشروں میں جب بھی مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلتی تھیں تو چہرے کا پردہ کر کے نکلتی تھیں۔ تاہم جب یورپی استعماری قوتوں اور حکومتوں نے ۲۰۰ سال پہلے مسلمان ممالک میں اپنے پنجے گاڑے اور مسلمان ممالک کو غلام بنانا شروع کیا تو ان مغربی آقاؤں نے مسلمان عورت کے چہرے کے پردے کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ پھر مغرب کے جنسی انقلاب نے میڈیا کی پشت پناہی میں مسلم معاشروں کو متاثر کیا۔ مغربی آقاؤں نے زبردستی مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب نوچا تو میڈیا نے مسلمان خواتین کی برین واشنگ کے ذریعے انہیں برضا و رغبت بے پردہ ہونے پر اُکسایا۔ نتیجتاً پہلے نقاب مسلمان عورتوں کے چہروں سے غائب ہوا' پھر سر سے سکارف اور دوپٹہ اترا اور آخر میں ٹائیٹ

جینز (Skinny Jeans) کی آمد سے ڈھیلے ڈھالے عبائے اور گاؤن غائب ہوئے۔ آج بعض روشن خیال مسلمان مفکرین مسلم معاشروں کو سطحی نگاہ سے دیکھ کر یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ مسلم معاشروں میں خواتین کی اکثریت اپنے چہرے نہیں چھپاتی تھی' حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ یہ روشن خیال مفکرین سمجھتے ہیں کہ اسلام کا چشمہ ہمیشہ سے میلا کچیلا تھا' حالانکہ تاریخی ثبوت یہ بتاتے ہیں کہ اٹھارھویں صدی عیسوی تک مسلمان خواتین کی اکثریت چہرے کا پردہ کرتی تھی اور یہ ثبوت بالخصوص ہمیں مسلمان ممالک کی سیاحت کرنے والے غیر مسلم سیاحوں کی ڈائریوں اور سفرناموں (travelogues) سے ملتا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ ''روشن خیال مسلمان مفکرین'' اگر ہمارے مسلمان علماء کی بات کا یقین نہ بھی کریں تو کم از کم غیر مسلم عیسائی سیاحوں کی بات کو تو وہ دقیانوسی کہہ کر رَد نہیں کر سکتے۔

مغربی استعمار اور مسلمان خواتین کا نقاب

جب تک مغربی نوآبادکار (Western Colonialists) نے مسلمان ممالک پر قبضہ نہیں کیا تھا' اس وقت تک مسلم خواتین اسلامی معاشروں میں بہت وقار اور عزت کے ساتھ چلتی پھرتی تھیں۔ نقاب مسلم خواتین کو نہ صرف مغربی نوآبادکاروں اور استعماری مردوں کی غلیظ نگاہوں سے بچاتا تھا بلکہ ان خواتین کو آزادی کا ایک احساس بھی دیتا تھا۔ غیر مسلم آقاؤں نے اس رکاوٹ کو تباہ کرنے کے لیے مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب اتروادیا۔ بدقسمتی سے آج اکثر مسلمان بہنوں کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ ان سے کتنی قیمتی چیز چھینی جا چکی ہے جو ان کی بہت بڑی محافظ تھی۔

امریکہ کی نیویارک یونیورسٹی کا یہودی مفکر نیل پوسٹ مین اپنی کتاب Conscientious Objections میں لکھتا ہے:

> ''ہر دور اپنے اندر ایک مخصوص سامراجی نظام رکھتا ہے اور اسی طرح ہر فاتح بھی سامراجی عزائم رکھتا ہے۔ اٹھارھویں صدی اور انیسویں صدی میں جب برطانیہ نے اس فن میں کمال حاصل کیا تو اس وقت کسی ملک پر حملہ کرنے کے لیے وہ پہلے اپنی بحری طاقت اور پھر عام فوج بھیجتے تھے۔ اس کے بعد انتظامیہ کے لوگ بھیجے

جاتے تھے اور پھر آخر میں اپنا تعلیمی نظام اس ملک پر نافذ کرتے تھے۔''(۱)

جب مغربی سامراج نے مسلمان معاشروں پر قبضہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ تقریباً تمام مسلمان خواتین جب گھروں سے نکلتیں تو اپنے چہروں کو چھپا کر نکلتیں۔ اپنی سامراجی طاقت اور کرائے کے روشن خیال علماء یعنی "Scholars for Dollars" (مثلاً قاسم الامین مصری یا محمد عبدہٗ وغیرہ) کو بڑی چالاکی کے ساتھ استعمال کر کے یورپی سامراجی ایجنٹوں نے مسلمان خواتین کے چہرے سے نقاب کو اتار پھینکا۔ مزید برآں' برطانوی سامراج نے مصر کی سیکولر حکومت کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے وہاں کی جامعۃ الازہر کو ایک ماڈرنسٹ' روشن خیال اور معذرت خواہ ادارے میں تبدیل کر دیا۔ یہ کام حکومت مصر نے یونیورسٹی کی اہم پوزیشنوں بشمول شیخ الازہر کی پوزیشن کے لیے مغرب زدہ اور بعض حالات میں کرائے کے علماء (Scholars for Dollars) کو متعین کر کے کیا اور یہ چیز آج بھی وہاں پائی جاتی ہے۔ ایسے ''ازہری'' سکالر حضرات اپنی داڑھیاں شیو کرتے ہیں یا انتہائی چھوٹی داڑھیاں رکھتے ہیں' پبلک میں برملا موسیقی کی تعریف کرتے ہیں اور نقاب اور پردے کے خلاف فتوے دیتے ہیں یا عورتوں مردوں کے آزادانہ اختلاط کی اجازت دیتے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی سے پہلے تمام مسلمان ممالک میں خواتین گھر سے باہر نقاب لیا کرتی تھیں۔ وہ کسی ایک ملک یا خطے تک محدود نہ تھا۔ اندلس (مسلم سپین) جہاں کے مسلمان کئی لحاظ سے بہت ماڈرن تھے' لیکن اسلامی عالم ابو حیان توحیدی اندلس میں مسلمان عورتوں کے حجاب کے متعلق لکھتے ہیں:

وكذا عادة بلاد اندلس لا يظهر من المرأة الا عينها الواحدة (۲)

''اور اسی طرح ملک اندلس کی خواتین کا یہ معمول ہے کہ ان کے جسم پر سے ان کی ایک آنکھ کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔''

مسلمان عورتوں کے نقاب کے متعلق یورپین مہمانوں اور سیاحوں کی شہادتیں

آج سے تقریباً دو سو سال پہلے یورپی سیاحوں کو مشرقِ وسطیٰ پہنچ کر بہت مایوسی ہوا کرتی تھی' کیونکہ تقریباً سبھی مسلمان خواتین چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ مزید برآں' مسلمانوں کے گھریا

پبلک مقامات پر کہیں بھی یورپی سیاحوں کے لیے یہ ممکن نہ ہوتا تھا کہ وہ مشرق کی خواتین کے حسن سے لطف اندوز ہوسکیں۔ یورپین سیاحوں کے مسلمان خواتین کے متعلق مشہور فرضی قصوں پر یہ ایک زوردار چوٹ تھی۔ مثال کے طور پر فرانسیسی مؤرخ لیون مچل (Leon Michel) لکھتا ہے:

''ہر یورپین مرد یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ افریقہ (کے مسلمان ممالک) میں جائے گا تو اسے وہاں پر خوبصورت محل دکھائی دیں گے جب کہ بالکونی (Balcony) سڑک کی طرف کھلتی ہوگی جہاں ایک پرکشش قیدی (مسلمان عورت) کھڑی اس بات کا انتظار کر رہی ہوگی کہ کوئی بہادر فرانسیسی گھڑسوار چمکیلی زرہ پہنے ہوئے آ کر اس کو آزاد کروادے گا۔ یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ مسلمانوں کے حرم (زنان خانے) بہت محفوظ ہوتے ہیں اور بالکونی پر لگی ہوئی لکڑی کی موٹی جالی (جسے عربی میں شناشیل یا مشربیہ کہتے ہیں) اس بات کو ناممکن بنا دیتی ہے کہ باہر سے اندر کسی کی نظر پڑے یا گھر کے اندر کی عورت کو دیکھا جاسکے۔''(۳)

کینیڈین نومسلم محقق خاتون کیتھرین بلوک (Katherine Bullock) نے اپنی کتاب Rethinking Muslim Women and the Veil میں یہ واضح کیا ہے کہ یورپ میں عورت اپنی قیمت کھو چکی تھی کیونکہ اس کا چہرہ کھلا تھا جس کے حسن سے پبلک لطف اندوز ہوسکتی تھی۔ اس کے برعکس اپنے چہرے پر نقاب ہونے کی وجہ سے مسلمان عورت ''ایک قابل دید شے اور قیمتی متاع'' کے طور پر دیکھنے والوں سے ابھی محفوظ تھی۔ اس وجہ سے کیتھرین بلوک کے الفاظ میں:

"The veil, and the women who wore it, became the metaphor for the entire East, and all that was both alluring and fearsome about it." (۴)

''نقاب اور اُس کو پہننے والی عورتیں، پورے مشرق کی علامت بن گئیں اور وہ سب کچھ جو یورپی لوگوں کے لیے پرکشش تھا یا جس سے وہ خوفزدہ تھے۔''

چونکہ نقاب ان لوگوں کو مسلمان خواتین کے چہرے دیکھنے کے راستے میں رکاوٹ تھا اِس لیے بعض یورپی سیاحوں نے ''نقاب'' کو اپنے غضب کا نشانہ بنایا کیونکہ وہ اُن کی شہوت بھری نگاہوں (lustful eyes) کی راہ میں روک تھا۔ بریڈلے برٹ (Bradley-Birt) نامی ایک

یورپی مصنف اپنی کتاب "Through Persia" میں برقعے اور نقاب پر اِن الفاظ میں اپنا غصہ نکالتا ہے:

''یہ (برقع اور نقاب) سب سے زیادہ ناشائستہ اور ناپسندیدہ لباس ہے جو سب سے زیادہ غیرت والے خاوندوں نے ایجاد کیا ہے۔ کوئی بھی اجنبی مرد ایرانی مسلمان خاتون کو نہیں دیکھ سکتا اور اُس خوبصورتی کو نہیں دیکھ سکتا جو اِن برقعوں اور نقابوں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے' جس حسن کا ہماری بہت سی نظموں میں ذکر ہے۔''(۵)

اِسی طرح برطانوی سیاح چارلس ڈاؤٹی (Charles Daughty) کو مسلمان خواتین کے نقاب سے اس لیے نفرت تھی کیونکہ اُس وجہ سے وہ مسلمان خواتین کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا' جن کے متعلق اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا:

"The women's faces, which God created for the cheerfulness of the human world." (۶)

''عورتوں کے چہرے جنہیں خدا نے اس لیے تخلیق کیا تھا کہ دنیا کے لوگ انہیں دیکھ کر لطف حاصل کریں۔''

دوصدیاں پہلے چہرے کا پردہ مسلمان معاشروں میں اتنا عام تھا کہ یورپین سیاح مسلمان خواتین کا چہرے دیکھنے کے لیے سر پٹخ کر رہ جاتے تھے۔ جب انہیں راہ چلتی مسلمان خواتین کے چہرے دیکھنے میں کامیابی نہ ہوتی تو وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے مکروفریب کا راستہ اختیار کرتے اور مختلف چالیں چلتے۔ مثال کے طور پر مسٹر ڈیولافوائے (Dieulafoy) اور اس کی بیوی جین ڈیولافوائے (Jane Dieulafoy) نے ۱۸۸۰ء کی دہائی میں مشرق وسطیٰ کا سفر کیا۔ اپنے سفرنامے میں جین بیان کرتی ہے کہ اُس نے اور اس کے خاوند نے اِس مسئلے کا حل ڈھونڈا:

''گھر کے صحن کے وسط میں گھر کا سربراہ بیٹھا ہوا دو جوان خواتین سے گفتگو میں مشغول تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ دونوں اس کی رشتہ دار تھیں۔ چونکہ ان (مسلمان) خواتین کو اس کا علم نہ تھا کہ انہیں دیکھا جا رہا ہے اِس لیے انہوں نے اپنے چہرے کھلے رکھے تھے ..... میں دیوار کے پیچھے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ جلدی سے مجھے کیمرہ پکڑائے تاکہ میں جلد از جلد ان کی تصویر کھینچ سکوں۔ میں اِس بات پر خوش

تھی کہ میں نے کیمرے میں گھروں کے اندر کی اُس (انسانی) خوبصورتی کو محفوظ کرلیا ہے
جس کی مشرقی حلقوں میں نہایت غیرت مندی کے سبب سے حفاظت کی جاتی ہے۔''(۷)

رابرٹ برٹن (Robert Burton) (۱۸۲۱ء-۱۸۹۰ء) ایک معروف برطانوی سیاح گزرا ہے، جس کا سب سے مشہور کام اُس کا مکہ اور مدینہ کا سفرنامہ ہے، جو اُس نے مسلمان کا بھیس دھار کر اُن دو مقدس مقامات کے سفر کے بعد لکھا۔ اِس سفرنامے کا عنوان تھا:

"Personal narrative of a pilgrimate to al-Madinah and Meccah"

اِس سفرنامے میں برٹن نے سرزمین عرب کے مسلمانوں کی نسلی جغرافیہ سے متعلق تحقیق (Ethmographic study) کی، اگرچہ اپنے بعض مشاہدات میں برٹن اسلام کے خلاف اپنے ذاتی تعصب کو چھپا نہ سکا۔ چونکہ مشرق وسطیٰ میں مسلمان خواتین چہرے کا پردہ کرتی تھیں اور پبلک مقامات پر مردوں عورتوں کا آزادانہ اختلاط بھی نہیں ہوتا تھا اس لیے برٹن نے ایک ''حکیم'' کا روپ دھارا جو کہ حج کی غرض سے مصر کے دارالخلافہ قاہرہ سے مکہ اور مدینہ کے لیے سفر کرنے والا تھا۔ یہیں سے اُس کا سفرنامہ شروع ہوتا ہے۔ اپنے سفرنامے میں برٹن بتاتا ہے کہ اس نے ''ایک مسلمان حکیم'' کا روپ اس لیے دھارا کیونکہ اس بھیس میں اس بات کی گارنٹی تھی کہ وہ بعض مسلمان خواتین سے ملاقات کر سکے گا اور ان کے چہرے دیکھ سکے گا، کیونکہ مجبوری کی وجہ سے ان کو مرد حکیم کے پاس آنے کی اجازت مل جائے گی۔ اگرچہ برٹن کا سفرنامہ باپردہ مسلمان خواتین کے متعلق نفرت آمیز کلمات سے بھرا پڑا ہے، جو برٹن کے خبث باطن کا مظہر ہے، لیکن برٹن نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اسے مسلمان خواتین کے چہرے دیکھنے کے لیے بڑے جتن کرنے پڑے۔ مثلاً مدینہ میں برٹن نے ایک مقامی شیخ کے گھر قیام کیا، لیکن برٹن نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اسے گھر کی خواتین کو دیکھنے کا کبھی موقع نہ مل سکا۔ (۸)

چارلس ڈاوٹی (Charles Doughty) (۱۸۴۳-۱۹۲۶ء) ایک اور برطانوی سیاح تھا جس نے سرزمین عرب کے بدوؤں کے ساتھ دو سال قیام کیا اور اپنے مشاہدات کو اپنی کتاب "Travels in Arabia Desert" میں محفوظ کیا۔ مسلمان خواتین جو کہ پبلک مقامات پر اور گھر سے باہر نقاب کیا کرتی تھیں، ان تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ڈاوٹی نے عرب نام

''خلیل'' اختیار کیا اور ''حکیم'' کا رُوپ دھارا۔ ڈاؤٹی نے وہی حربہ استعمال کیا جو اس کے ہم وطن برٹن نے تقریباً ۲۷ سال پہلے کیا تھا۔ ڈاؤٹی کو مسلم معاشرے میں غیر مخلوط محفلوں اور عورتوں کے چہرے کے پردے سے شدید نفرت تھی۔ اسلام کے چہرہ چھپانے کے حکم کے بارے میں اس نے جابجا اپنے سفرنامے میں نہایت گھٹیا اعتراضات کیے ہیں۔

ایک عرب شہر کا رہنے والا مسلمان اپنی والدہ کو اس کی آنکھوں کا علاج کروانے ڈاؤٹی کے پاس لایا۔ ڈاؤٹی بیان کرتا ہے کہ اُس بوڑھی خاتون نے اپنے چہرے سے نقاب اتارنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اس کے بیٹے نے اپنی ماں کو بہت کوشش کر کے سمجھایا کہ ڈاؤٹی ایک حکیم ہے اس لیے اس کے سامنے چہرہ کھولنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اپنی کتاب میں ڈاؤٹی اس بوڑھی عورت کے نقاب نہ اتارنے کے فوری ردّعمل کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اُس بوڑھی عورت کا کسی اجنبی مرد کے سامنے بزدلی کا مظاہرہ تھا۔ اسی طرح ڈاؤٹی کا سابقہ ایک نقاب اور برقعہ میں ملبوس مسلمان خاتون سے پیش آیا تو ڈاؤٹی نے اس خاتون کے متعلق طنزیہ انداز میں لکھا:

> ''اس کا زنانہ چہرہ ایک ''خستہ نقاب کے پیوند'' سے چھپا ہوا تھا۔ ہماری نگاہوں میں یہ ایشیا کے کافر لوگ ہیں! یہ عربوں کی نفیس عورتیں اپنے حرم (زنان خانے) میں رہتے ہوئے ناکارہ بن گئی ہیں..... یہ خواتین کے چہرے جو خدا نے دنیا کے لوگوں کے لطف اٹھانے کے لیے بنائے تھے، انہیں غیرت مندی کی ہولناکی میں جھونک دیا گیا ہے۔'' (۹)

ڈاؤٹی کے گھٹیا کلمات اور برٹن کے زہر آلود احساسات پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کی ورمانٹ یونیورسٹی (University of Vermont) کی ماہر بشریات (Anthropologist) خاتون کیرول پاسٹنر (Carroll Pastner) نہایت منصفانہ انداز میں رقمطراز ہیں:

> *"(Doughty and Burton) both failed to consider that one of the primary functions of the veil is to limit interaction between males and females to the immediate kin unit and to protect women from the gaze of the strangers."* (۱۰)

> ''ڈاؤٹی اور برٹن یہ سمجھنے میں ناکام رہے کہ نقاب کرنے کا ایک بنیادی مقصد یہ ہوتا

ہے کہ عورتوں اور مردوں کے آزادانہ گھلنے ملنے کو روکا جائے' سوائے قریبی ترین رشتہ داریوں کے' اور عورتوں کو اجنبی مردوں کی نگاہوں سے بچایا جائے۔''

ولیم رائی ولسن (William Rae Wilson, LLD) مشہور انگریز سیاح اور قانون دان گزرا ہے جس کی مختلف ممالک کے سفر کی دلچسپ روایات نے پورے یورپ میں کافی شہرت حاصل کی۔ ولیم رائی ولسن نے اپنے مشرق وسطیٰ کا سفرنامہ ۱۸۲۳ء میں لندن سے شائع کروایا جس کا عنوان تھا: "Travels in Egypt and the Holy Land" اپنی کتاب میں وہ اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Women in Egypt are allowed to see no other persons at home than their families or relations, and when they do appear in the streets, their faces are completely veiled." (۱۱)

''مصر میں خواتین کو اپنے گھر میں اپنے خاندان کے لوگوں یا رشتہ داروں کے علاوہ کسی کے سامنے آنے کی اجازت نہیں' اور جب وہ گھر سے باہر جاتی ہیں تو اپنے چہرے کا مکمل پردہ کرتی ہیں۔''

اِسی طرح عرب امریکی پروفیسر مارگوٹ بدران (Margot Badran) جو تحریک نسواں کی بڑی علمبردار ہے' نے جب مصر کی تحریک نسواں کی بانی ھدیٰ شعراوی کی خودنوشت سوانح حیات کا دیباچہ لکھا تو اُس میں خود اعتراف کیا کہ مصر میں ماڈرن ازم آنے سے پہلے خواتین نقاب کرتی تھیں۔ وہ لکھتی ہے:

"When (the women) went out they veiled their faces, thus taking thier secusion with them." (۱۲)

''جب عورتیں گھر سے نکلتی تھیں تو چہرے کا پردہ کرتی تھیں' چنانچہ اس طرح سے وہ اپنی خلوت نشینی کو اپنے ساتھ لے کر نکلتی تھیں۔''

اِن تمام سفرناموں' ڈائریوں اور روئیدادوں سے ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں؟ یورپین سیاحوں اور مہمانوں (مرد اور عورتوں) کی دی گئی تفصیلات اِس بات کا واضح ثبوت مہیا کرتی ہیں کہ دو صدیوں پہلے تک مسلمان معاشروں میں تقریباً تمام مسلمان خواتین چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔

عربی کا ایک محاورہ ہے: اَلْفَضْلُ مَا شَھِدَتْ بِهِ الاَعْدَاءُ ''حقیقی فضیلت وہ ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں''۔ دو صدیوں پہلے تک مسلمان خواتین ایسا بے مثال پردہ کیا کرتی تھیں کہ جس کی شہادت دشمنوں نے بھی دی ہے۔

نقاب چھین کر مسلمان خواتین کی قوتِ مزاحمت کو توڑنا

مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب اُسی دور میں غائب ہوا تھا جس دور میں مغربی استعمار نے مسلمان ممالک کو غلامی کے شکنجے میں جکڑا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ اس کے پیچھے نہایت گہرے نفسیاتی عوامل کارفرما ہیں۔ فرینٹز فینن (Frantz Fanon) فرانس کا ایک ماہر نفسیات اور فلسفی گزرا ہے جو کہ نو آبادیات کے اثرات پر تحقیق کے میدان (post-colonial studies) میں بہت صاحب اثر تھا' بلکہ استعمار کی نفسیاتی بیماریوں کے اثرات (psychopathology of colonialism) کے میدان میں شاید وہ بیسویں صدی کا سب سے بڑا مفکر گزرا ہے۔ اس کی تصنیفات سے مغربی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریکوں نے دنیا میں تقریباً چار دہائیوں تک گہرا اثر لیا۔ اپنی مشہور زمانہ کتاب "Dying Colonialism" میں فینن نے یورپی استعمار کے دوران الجزائر کی مسلمان خواتین کے نقاب کے متعلق لکھا:

> *"Every rejected veil disclosed to the eyes of the colonialists horizons until then forbidden, and revealed to them, piece by piece, the flesh of Algeria laid bare. The occupier's aggressiveness, and hence his hopes, multiplied ten-fold each time a new face was uncovered. Every new Algerian woman unveiled announced to the occupier an Algerian society whose systems of defense were in the process of dislocation, open and breached. Every veil that fell, every body that became liberated from the traditional embrace of the haïk, every face that offered itself to the bold and impatient glance of the occupier, was a negative*

expression of the fact that Algeria was beginning to deny herself and was accepting the rape of the colonizer." (۱۳)

''ہر اُترا ہوا نقاب استعماری طاقتوں کی آنکھوں کو وہ اُفق دکھاتا تھا جو ابھی تک ان کی نگاہوں سے چھپے ہوئے تھے اور تھوڑا تھوڑا کر کے الجزائر کا جسم بے پردہ ہو رہا تھا۔ ہر دفعہ جب کسی مسلمان عورت کا چہرہ بے نقاب ہوتا تو فاتح کی جارحیت اور اس کی امیدیں دس گنا بڑھ جاتیں۔ جب بھی کسی نئی الجزائری عورت کے چہرے سے نقاب اترتا تو فاتح قوم کے لیے یہ اعلان ہوتا کہ اب الجزائر کی سوسائٹی کے دفاعی نظام کمزور ہو رہے ہیں اور اُن میں مداخلت کی جا رہی ہے۔ ہر نقاب کے بغیر چہرہ جو اپنے آپ کو فاتح قوم کے مردوں کی نڈر اور بے صبری نگاہوں کے سامنے پیش کرتا تھا' وہ اس حقیقت کا منفی اظہار تھا کہ الجزائر نے اپنی شناخت کا انکار شروع کر دیا ہے اور اس نے فاتح کی عصمت دری کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔''

فرانسیسی مؤرخ فینن کے مطابق جب استعماری طاقتوں نے مسلمان عورتوں کے نقاب زبردستی اتروائے یا نام نہاد آزادی کا جھانسہ دے کر انہیں بے نقاب کیا تو دونوں صورتوں میں نوآبادکاروں (colonialists) کو فتح مندی کا احساس ہوتا تھا' کیونکہ اِس سے انہیں پتا چلتا تھا کہ مسلمان معاشرے کا نظامِ دفاع بتدریج کمزور ہو رہا ہے۔

مسلمان عورتوں کا نقاب استعماری طاقتوں کے خلاف مزاحمت کا نشان تھا۔ باپردہ مسلمان عورت نوآبادکاروں کے لیے مایوسی کا پیغام تھی' کیونکہ وہ اپنے آپ کو ایسی عورت کے سامنے بے بس محسوس کرتے تھے جسے وہ مفتوح قوم ہونے کی حیثیت سے اپنی ملکیت سمجھتے تھے لیکن اسے دیکھ نہ سکتے تھے۔ باپردہ خواتین اپنے آپ کو فاتحین کے سامنے نمائش کے لیے پیش نہیں کر رہی تھیں۔ یورپی استعماری قومیں اس اعتماد کے ساتھ مشرق وسطیٰ پر قابض ہوئی تھیں کہ وہ مسلمانوں سے اعلیٰ ہیں لیکن یہاں پہنچ کر ان کا اپنا اعتماد متزلزل ہو گیا۔ یورپی فاتحین کے لیے مسلمان عورت کو اپنے گھر سے اور نقاب سے باہر لانے کا مطلب اس کی مزاحمت کو توڑنا تھا اور یہ اس عورت پر قبضہ حاصل کرنے کے مترادف تھا' جیسا کہ فینن رقمطراز ہے:

"Unveiling this [Muslim] woman is revealing her

beauty; it is barring her secret, breaking her resistance, making her available for adventure. Hiding the face is also disguising a secret; it is also creating a world of mystery, of the hidden. In a confused way, the European experiences his relation with the Algerian woman at a highly complex level. There is in it the will to bring this woman within his reach, to make her a possible object of possession.

This woman who sees without being seen frustrates the colonizer. There is no reciprocity. She does not yield herself, does not give herself, does not offer herself." (۱۴)

''مسلمان عورت کو بے نقاب کرنے کا مطلب اس کے حسن کو ظاہر کرنا تھا' اس کے راز کو افشا کرنا تھا' اس کی مزاحمت کو توڑنا تھا اور اسے فاتحین کی مہم جوئیوں کے لیے دستیاب بنانا تھا۔ چہرے کو چھپانا اسی طرح ہے کہ کسی نے کوئی راز چھپایا ہو' یہ غیب کی دنیا بنانے کی طرح ہے۔ کنفیوز انداز میں یورپین شخص کو سمجھ نہیں آتی کہ اس کا الجزائر کی خواتین سے کس قسم کا تعلق ہے۔ اس کے اندر اس کی یہ خواہش پوشیدہ ہے کہ وہ کسی طرح باپردہ مسلمان عورت کو اپنی دسترس میں لا سکے۔ یہ مسلمان عورت جو کہ خود تو نقاب میں سے دیکھتی ہے لیکن دوسرے اسے نہیں دیکھ سکتے' یہ چیز نوآبادکار (Colonizer) کو بہت مایوس کرتی ہے۔ یہاں پر برابری نہیں ہے۔ باپردہ مسلمان عورت اپنے آپ کو فاتح کے حوالے نہیں کرتی' اپنے آپ کو پیش نہیں کرتی۔''

الجزائر اور بہت سے دیگر مسلمان ممالک کی خواتین کے لیے حجاب اور نقاب ان کی شناخت تھی۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں شاہِ ایران کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کئی سیکولر اور ماڈرن خواتین نے بھی حجاب پہنے۔ یہی چیز مصر میں الاخوان المسلمون اور دیگر جماعتوں نے دہرائی۔ مصر کی مفکر خاتون سفینا زکاظم جو کہ تحریک نسواں کی علمبردار ہے لیکن مذہب کے لیے بھی دل میں نرم گوشہ رکھتی ہے' وہ ان مصری خواتین میں سے ایک ہے جنہیں شروع میں مغرب کی ماڈرن ازم کی

لہر اپنے ساتھ بہالے گئے۔ یہ دور تقریباً نصف صدی تک رہا۔ جس دور میں مغربی لباس اونچی سوسائٹی اور معیارِ زندگی (high status) کی علامت سمجھا جاتا تھا' جبکہ نقاب اور برقعے کو تحقیر کے ساتھ علاقائی چیز ''بلدی'' سمجھا جاتا تھا۔ آج سفینا ز کاظم ''حجاب'' کو اپنی شناخت اور اپنی ''اصل اسلامی روایت کی طرف واپسی'' کی علامت (Going back to Islamic oots) سمجھتی ہیں۔ مصری اخبار ''الاحرام'' کے جنوری ۲۰۰۷ء کے شمارے میں ایک انٹرویو میں انہوں نے بیان کیا:

''ممکن ہے کہ خواتین کے نقاب کی طرف واپس لوٹنے کی دوسری وجوہات بھی ہوں' لیکن اِس میں شک نہیں کہ اسلامی لباس کا اس طرح پھیل جانا مذہبیت کی نشانی ہے۔'' (۱۵)

سفینا ز کاظم مصر کی پہلی صحافی خاتون تھیں جنہوں نے ۱۹۷۰ء کی سیکولر دہائی میں حجاب لینا شروع کیا۔ ان کے الفاظ میں:

''ہمیں اچانک اس بات کا احساس ہوا کہ ہماری اسلامی روایات کو ہم سے چھین لیا گیا ہے اور ہم نے اپنی جڑوں کو تلاش کرنا شروع کیا۔ میری حیثیت ایک غصب شدہ زمین کی سی تھی۔ اور جس دن میں نے حجاب لینا شروع کیا (۱۹۷۲ء میں) وہ دن میری آزادی کا دن تھا۔''

بلاشبہ آج بھی مسلمان خواتین کا حجاب اور نقاب' ظلم اور آمریت کے خلاف مزاحمت کی علامت ہے۔ برطانوی اخبار "The Guardian" میں سابقہ برطانوی راہبہ (British Nun) اور عیسائی سکالر کیرن آرمسٹرانگ (Karen Armstrong) نے اپنے ہم مذہبوں کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا:

''مسلمان خواتین سے حجاب اور نقاب اتار دینے کا مطالبہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض خواتین اس لباس کو پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ پکڑے رکھیں گی۔ وہ لباس جو آج ظلم وستم کے خلاف مزاحمت کی علامت ہے۔'' (بحوالہ: ایضاً)

یورپی استعماری طاقتوں نے یہ بہانہ تراشا کہ وہ مسلمان خواتین کے حجاب اتار کر انہیں آزادی دلانا چاہتے ہیں' حالانکہ ان سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ اگر وہ مسلمان خواتین کے اتنے ہی خیر خواہ

تھے تو انہوں نے مسلمان ممالک کو غلام کیوں بنایا؟ انہوں نے مغلوب مسلمان ممالک پر اپنا مغربی نظام تعلیم ٹھونسا اور ماڈرن ازم کی آڑ میں مسلم خواتین کی شرم وحیا اور نسوانیت کا خون کیا۔ مغربی استعمار کے مذہبی کارندے یعنی عیسائی مشنریوں کا اولین نشانہ بھی مسلمان مائیں تھیں۔ مشرق وسطیٰ میں کام کرنے والے ایک نامور مشنری سیموئیل زویمر (Samuel Zwemer) نے اپنی کتاب "Moslem Women" (مطبوعہ امریکہ ۱۹۲۶ء) میں یہ دعویٰ کیا تھا:

''چونکہ یہ حقیقت ہے کہ ماں کا اپنے بچوں' لڑکوں اور لڑکیوں دونوں پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے اور ایمان اور مذہبی عقائد کے دفاع کے معاملے میں خواتین زیادہ ڈٹ جانے والی ہوتی ہیں' اس لیے ہمارا یہ خیال ہے کہ مشنری اداروں کو یہ چاہیے کہ وہ مسلمان خواتین کو بدلنے کے لیے زیادہ کام کریں تاکہ اس ذریعے سے مسلمان ممالک کو عیسائی بنانے کا عمل تیز کیا جاسکے۔'' (۱۶)

زویمر اور وین سومر (Van Sommer) کے مطابق مسلمان ممالک میں کام کرنے والے بعض مشنری سکول تو اِس حد تک چلے گئے کہ مشنری سکولوں کے اساتذہ مسلمان لڑکیوں کو اپنے والدین اور مذہبی اَقدار کے خلاف ورغلانے کی کوشش کرتے اور حجاب پہننے سے انکار کرنے کی انہیں ترغیب دیتے۔ (۱۷)

ظاہر ہے کہ مسلمان خواتین کا پردہ اور مسلمان گھروں کے حرم (زنان خانے) پادریوں کے مشنری کام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ چنانچہ مغربی استعماری ایجنٹوں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ مسلمان عورت کی مزاحمت کو توڑنے کے لیے اس کا نقاب اتروایا جائے چاہے اسے آزادیٔ نسواں کا جھانسہ دے کر' یا زبردستی' بلکہ ہر ممکن طریقے سے۔

مسلم ممالک میں نقاب کے خلاف صلیبی جنگ

جیسا کہ ہم نے یورپ کے سیاحوں اور مسلمان ممالک کا سفر کرنے والے مسافروں کے بیانات میں دیکھا کہ دو صدیاں پہلے وہاں تقریباً تمام خواتین گھر سے باہر چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ پھر دو تین نسلیں گزرنے کے بعد آج مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ چہرے کے پردے کو صرف ایک نفلی عمل سمجھا جاتا ہے جو کہ مسلمان خواتین کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس کی وجوہات درج

ذیل ہیں۔اس کی پہلی وجہ غیروں کی زبردستی تھی' جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا کہ کس طرح مغربی استعمار نے مسلمان عورت کو بے پردہ کیا۔اس کی دوسری بڑی وجہ اپنے منافقوں کی عیاری اور مسلم کی سادگی تھی: ع ''سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ!''

مسلم ممالک پر جب مغربی استعمار کا سیلاب آیا اور انہیں اپنا غلام بنایا تو مسلم ممالک میں مختلف جگہوں پر ماڈرنسٹ مصلحین اور روشن خیال معذرت خواہوں نے سر اٹھانا شروع کیا' جس طرح بارش کے بعد خودرو پودے سر اٹھاتے ہیں۔مصر کی ہدیٰ شعراوی اور سیزی نبراوی ۱۹۲۳ء میں روم سے آزدیٔ نسواں کی مغربی کانفرنس (International Women's Alliance Conference) میں حاضری دے کر جب مصر واپس آئیں تو مدینہ کے منافق اعظم عبداللہ بن اُبی کی جانشینی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت ڈرامائی انداز میں ٹرین سے اترتے ہوئے اپنے نقاب اتار کر دُور پھینک دیے۔اسی دور میں مصر کی صفیہ زغلول نے ایک پبلک تقریر میں اپنے نقاب کو آگ لگائی۔ یہ مسلمان ممالک میں خواتین کے بے پردہ چہروں والے کلچر کی ابتدا تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب ترکی کے ڈکٹیٹر (اور پاکستان کے ''روشن خیال'' آمر پرویز مشرف کے روحانی باپ) مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کی باپردہ خواتین کو مغربی لباس پہننے پر مجبور کیا۔اتاترک کی بیوی لطیف ہنیم (Latife Hanim) اپنی شادی کی تقریب میں بے پردہ ہو کر مکمل طور پر مغربی لباس میں آئی تھی اور اس کے بعد تمام عوامی تقریبات میں ہمیشہ بے پردہ حالت میں شرکت کرتی تھی۔

اسی طرح افغانستان کی ملکہ ثریا ۱۹۲۸ء میں مغربی لباس میں پبلک کے سامنے آئی جبکہ افغانستان کے بادشاہ نے پردے کو ختم کرنے کی مہم چلائی۔ (۱۸)

۱۹۳۶ء میں ایران کے بادشاہ رضا شاہ پہلوی نے نقاب پہننے کو خلاف قانون قرار دے دیا اور اس کی بیویاں پبلک میں بے پردہ حالت میں آنا شروع ہوگئیں۔ایران میں شاہ کے حکم کے تحت ٹیکسی ڈرائیوروں کو حکومت جرمانہ کرتی اگر وہ برقعے والی عورت کو اپنی گاڑی پر سوار کرتے۔ رضا شاہ نے نہ صرف سکولوں کالجوں میں برقعے اور نقاب پر پابندی لگادی تھی بلکہ اس ''روشن خیال'' بلکہ تاریک خیال بادشاہ نے یہ حکم بھی جاری کیا تھا کہ کسی بھی پبلک ہسپتال یا کلینک میں برقعے والی عورت کو علاج نہ مہیا کیا جائے۔(بحوالہ ایضاً)

مغربی بے حیا لباس کی محبت اور نقالی میں رضا شاہ اس حد تک بڑھ گیا کہ اس نے ایران کی مملکت میں پولیس کو ہدایات جاری کی تھیں کہ اگر وہ کسی مسلمان عورت کو پبلک مقامات پر باپردہ حالت میں دیکھیں تو اس کا نقاب اتار کر قینچی سے کاٹ ڈالیں۔ (۱۹)

عجیب بات ہے کہ اس دور میں اگر کوئی مسلمان عورت گلیوں سڑکوں پر تیرا کی کے لباس (Bikinis) میں گھومتی تو حکومتوں کو کوئی اعتراض نہ تھا' لیکن اگر مسلمان عورت برقعے اور نقاب میں گھر سے باہر قدم رکھتی تو ان عورتوں کے جسم کے سوداگروں کو شدید تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔

پھر بہت جلد ہی روشن خیال اور ماڈرنسٹ مسلمان سکالروں نے میڈیا' استعماری حکومتوں اور تحریک نسواں کی علمبردار خواتین کے پریشر کے سامنے ہتھیار پھینک دیے اور ایسے فتوے دینے شروع کر دیے کہ نقاب تو صرف نبی اکرم ﷺ کی بیویوں تک محدود تھا اور مسلمان سوسائٹی کی عام خواتین نے تو نقاب کبھی پہنا ہی نہیں تھا۔ اِس دور میں مصر کی مذہبی درسگاہ جامعۃ الازہر' جس کی سربراہی محمد عبدہ' جیسے معذرت خواہ علماء کر رہے تھے' نے مسلمان خواتین کے لیے پبلک میں چہرے کھلے رکھنے کا فتویٰ جاری کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں' کیونکہ جب سے برطانیہ نے مصر پر قبضہ کیا اور اس کے بعد سے مصر کا ڈکٹیٹر جامعۃ الازہر کے شیخ کا چناؤ اپنے ''مبارک'' ہاتھوں سے کرتا ہے' اس وقت سے جامعۃ الازہر نے موسیقی' داڑھی منڈانا' عورتوں کا انگریزی لباس پہننا وغیرہ جیسے بے شمار مسئلوں کے حلال ہونے کے فتوے جاری کیے ہیں۔ اس وقت کے ازہری سکالرز (scholars for dollars) کا واحد مقصد لارڈ کرومر (Lord Cromer) کو خوش کرنا تھا جو کہ مصر میں برطانیہ کی طرف سے حکمران تھا۔ نقاب کے خلاف صلیبی جنگ آج بھی مسلمان ملکوں میں جاری ہے (ہم فرانس میں نقاب پر پابندی کا کیا افسوس کریں کہ انہوں نے اِس کے خلاف فتویٰ مصر کے منافق اعظم شیخ الازہر طنطاوی سے ہی تو لیا تھا)۔ پھر ۱۹۹۲ء میں ایک کویتی میڈیکل کالج کی پرنسپل نے کالج کی طالبات کے نقاب پہننے پر پابندی لگا دی تھی۔ (۲۰)

ترکی میں ۱۹۸۸ء میں ایک عدالتی فیصلے نے ۱۹۸۰ء کے لباس کے قانون کو قائم رکھا جس کے مطابق تمام حکومتی محکموں میں کام کرنے والی خواتین کو سر پر سکارف لینے یا نقاب پہننے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (۲۱)

کتنے تعجب کی بات ہے کہ آج اگر افغانستان میں یا مالی میں یا صومالیہ میں مسلمان خواتین کو پردے کے اسلامی حکم پر عمل کرنے کا کہا جاتا ہے تو پوری دنیا کا مغرب کا کنٹرول شدہ میڈیا غضب ناک ہو جاتا ہے' لیکن جب مسلمان ممالک میں خواتین کے چہروں سے زبردستی نقاب اُتارے جاتے ہیں تو یہی سیکولر اور آزاد خیال میڈیا گونگا بن جاتا ہے۔ دراصل یہی روشن خیال (منافق) مسلمانوں اور غیر مسلموں کے دجالی میڈیا کی منافقت ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ ہر منافق' کافر ہوتا ہے اور ہر کافر' منافق ہوتا ہے۔

(نوٹ: زیرِ نظر مضمون ڈاکٹر گوہر مشتاق کی کتاب ''پردہ: عقلمند خواتین کا انتخاب' مطبوعہ مکتبہ خواتین میگزین' لاہور'' سے لیا گیا ہے اور مصنف کی خواہش پر شائع کیا جا رہا ہے۔)

حواشی

(1) *Postman, Neil (1992). Conscientious Objections: Stirring up Trouble about Language, Technology and Education. New York, Vintage.*

(۲) البحر المحیط' ابو حیان توحیدی' جلد ۷' صفحہ ۲۵۰

(3) *Michel, Leon (2010) Tunis [1883]. (French edition) Montana (USA), Kessinger Publishing.*

(4) *Bullock, Katherine (2002) Rethinking Muslim Women and the Veil. Virginia, IIIT.*

(5) *Bradley-Birt,, F.T., Through Persia [1909], quoted in Bullock, Katherine (2002) Rethinking Muslim Women and the Veil.*

(6) *Pastner, C. M. (1978). "Englishmen in Arabia: Encounters with Middle Eastern Women." Signs: Journal of Women in Culture and Society 4(2): 309-323.*

(7) *Graham-Brown, sarah. Images of Woman: The portrayal of Women in Photography of the Middle East, 1860-1950 [London: Quartet Books, 1988]*

(8) *Burton, Sir Richard F. (1964). Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Madinah and Meccah New York, Dover Publications.*

(9) *Doughty, Charles M. (1936). Travels in Arabia Desert with*

an introduction by T.E. Lawrence, New York, Jonathan Cape, Ltd.; first published in 1888)

(10) Pastner, C. M. (1978). "Englishmen in Arabia: Encounters with Middle Eastern Women." Signs: Journal of Women in Culture and Society 4(2): 309-323.

(11) William Rae (1824). Travels in Egypt and the Holy Land: With A Journey Through Turkey, Greece, The Ionian Isles, Sicily, Spain, Etc. Whitefish (Montana, U.S.A.), Kissinger Publishing, LLC. (re-published in year 2008)

(12) Badran, Margot, 'Introduction', Harem years: The Memoirs of an Egyptian Feminist (1879-1924) London, Virago, 1986).

(13) Fanon, F. (1965). Dying Colonialism. New York, Grove Press, Inc. (translated from French by Haakon Chevalier)

(14) بحوالہ:ایضاً

(15) Shahine, Gihan (11 - 17 January 2007). A witch-hunt for our times? Al-Ahram Weekly.

(16) Zwemer, S.M. (1926) Moslem Women West Medford, Mass., Central Committee of the United Study of Foreign Missions)

(17) Van Sommer, Annie & Samuel M. Zwemer (eds.), (1907) Our Moslem Sisters New York, The Young People's Missionary Movement)

(18) Jayawardena, Humari (1986) Feminism and Nationalism in the Third World London, Zed Books

(19) Givechian, Fatemeh. (1991). "Cultural Changes in Male-Female Relations." Iranian Journal of International Affairs 3(3):521-530.

(20) Goodwin, Jan. (1994) Price of Honor. New York, Plume Publishers.

(21) Adnan-Unat (1991) Women in Middle Eastern History Nikki Keddie & beth Baron (New Haven, Yale Univ.)

عمرانی علوم: حقیقتِ حال اور مستقبل

ڈاکٹر انیس احمد

(بشکریہ: ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، جون 2014ء)

عالمی سطح پر گذشتہ نصف صدی سے عمرانی علوم (سوشل سائنسز) کی جانب تدریسی اور تحقیقی میدانوں میں انحطاط کا رجحان محسوس ہو رہا ہے۔ بظاہر اس کا سبب طلبہ اور حکومتوں کا ٹیکنالوجیکل مضامین میں دلچسپی لینا اور جامعات میں انجینئرنگ، کمپیوٹر سائنس، بیالوجیکل اور فزیکل سائنسز میں داخلوں اور سہولیات پر زیادہ توجہ دینا نظر آتا ہے۔ اس رجحان کا اثر عمرانی علوم کے شعبوں میں داخلوں میں کمی اور اطلاقی علوم میں داخلوں میں کثرت کے ساتھ طلبہ اور طالبات کے تناسب میں بھی نظر آتا ہے۔ عموماً میڈیکل کالجوں اور ڈینٹل کالجوں میں طالبات کی تعداد میں واضح اضافہ ہوا ہے۔ یہ تناسب اکثر 60، 70 فی صد طالبات اور تقریباً 30، 40 فی صد طلبہ کی تعداد کی شکل میں کم از کم اسلام آباد کی جامعات میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔

بالعموم عمرانی علوم کو طلبہ اور والدین وہ اہمیت نہیں دیتے جس کے یہ مستحق ہیں۔ ان علوم میں تاریخ، سیاسیات، عمرانیات، نفسیات اور اسلامی علوم وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ وہ طلبہ جو اطلاقی علوم (APPLIED SCIENCES) میں داخلے نہ حاصل کرسکیں عموماً عمرانی علوم میں داخلہ لے کر عمرانیات، نفسیات، معاشیات، سیاسیات یا اداراتی علوم میں ایم اے کرنے کے بعد عام طور پر تدریس سے وابستہ ہوجاتے ہیں اور ڈگری کالجوں میں اپنے مضمون کو جیسا کہ انہوں نے اپنے اساتذہ سے پڑھا تھا، پڑھا کر ایک پرسکون زندگی گزارنے پر قناعت کرتے ہیں۔ عمرانی علوم

پڑھانے والے اساتذہ میں سے بہت کم افراد ایسے ہیں جو ان علوم کے فکری اور نظریاتی ارتقا سے واقفیت اور اس پورے عمل پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ اکثر اساتذہ کا ہدف کورس کی کتاب میں درج اصطلاحات و مضامین کی کچھ وضاحت اور ان میں پیش کیے گئے تصورات کو طلبہ تک منتقل کرنا ہوتا ہے۔ بہت کم اساتذہ ایسے پائے جاتے ہیں جو کورس کی مقررہ کتابوں کے علاوہ تحقیقی مضامین اور تازہ طبع ہونے والی کتب سے استفادہ کرتے ہوں یا طلبہ کو ان کی طرف متوجہ کرتے ہوں۔ نتیجتاً عمرانی علوم علمی حیثیت سے جس مقام پر کھڑے ہوں انہیں وہیں پر رہنے دیا جاتا ہے، جب کہ فزکس، کیمسٹری اور دیگر سائنسز کے بارے میں جدید تحقیقات سے کما حقہ واقفیت اور ان کے تجزیہ و تحلیل کے بعد ہی ان علوم میں آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ گذشتہ 10 برسوں میں ایچ ای سی (ہائر ایجوکیشن کمیشن) نے جامعات کی زمرہ بندی اور اساتذہ کی ترقی کے حوالے سے جو علمی پیمانے بنا کر نافذ کیے ہیں اس کے نتیجے میں کم از کم عالمی جرائد میں پاکستانی اساتذہ کے مضامین کی اشاعت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، اور امید کی جا سکتی ہے کہ نہ صرف تعداد کے لحاظ سے بلکہ اپنے اعلیٰ معیار کی بنا پر ان مضامین سے نئی ایجادات میں بہت مدد ملے گی۔ اس خوش آیند پہلو کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ جو عمرانی علوم اور اطلاقی علوم ہماری جامعات میں پڑھائے جاتے ہیں وہ کس حد تک قومی تعلیمی مقاصد و اہداف پر پورے اترتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں چند گزارشات اپنے قارئین کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

مغربی عمرانی علوم کی فکری اساس

تاریخی طور پر عمرانی علوم یا SOCIAL SCIENCE اور BEHAVIORAL SCIENCES کی اصطلاحات متبادل طور پر استعمال کی جاتی رہی ہیں۔ انہیں HUMAN SCIENCES بھی کہا جاتا ہے جو شاید زیادہ جامع اصطلاح کہی جا سکتی ہے۔ اصطلاح کی افضلیت سے قطع نظر اگر دیکھا جائے تو گزشتہ ڈیڑھ سال سے پاکستان میں جو عمرانی علوم پڑھائے جا رہے ہیں یہ انگریز کے دورِ غلامی سے آج تک ایک تسلسل کی شکل میں یورپی جامعات میں اب سے ڈیڑھ سال قبل پڑھائے جانے والے مضامین کا ایک چربہ ہیں، حتیٰ کہ نصابی کتب بھی جوں کی توں ہیں، گذشتہ 50 برسوں میں یورپ اور امریکا میں ان علوم میں جو اضافے اور تبدیلیاں عمل

میں آئی ہیں ہماری جامعات ان سے بڑی حد تک بے خبر انھی کتب اور تصورات کو ہمارے طلبہ کو پڑھا رہی ہیں جو انگریز کے دورِ غلامی میں ہم پر لادینی نظامِ تعلیم میں نافذ کی گئی تھیں۔

جنوب مشرقی ایشیا کی بعض جامعات میں عمرانی علوم کے اس پہلو پر علمی مکالمہ جاری ہے۔ پاکستان کے تناظر میں عمرانی علوم کے فکری اور نظریاتی پہلو پر تنقیدی نگاہ ڈالنا بہت ضروری ہے۔

عمرانی علوم کسی بھی معاشرے میں پائے جانے والے انسانوں کے باہمی تعلقات اور معاشی، سیاسی، قانونی، ثقافتی، تعلیمی اور عالمی تعلقات سے بحث کرتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ یہ انسانی طرزِ عمل (BEHAVIOR) کا جائزہ لیتے ہیں اور نہ صرف اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس کے بارے میں تبدیلی اور ممکنہ ردِعمل سے بھی مطلع کرتے ہیں۔ چنانچہ علم معاشیات نہ صرف انسان کے معاشی ذرائع پیداوار، تقسیم وسائل بلکہ دولت اور وسائل کے پیداواری عمل میں لگائے جانے اور حصولِ منفعت کے حوالے سے اندازے قائم کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے اور انسان کے معاشی طرزِ عمل کی سمت کا تعین کرنے میں موجودہ معلومات کی بنیاد پر مستقبل کے نقشے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ایسے ہی علم عمرانیات (سماجیات) کسی بھی معاشرے میں پائے جانے والے بنیادی ادارہ، خاندان اور اس سے متعلقہ قانونی، اخلاقی اور دیگر پہلوؤں سے آگاہ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان کس طرح معاشرے سے متاثر ہوتا ہے، معاشرہ کیسے وجود میں آتا ہے اور اس کے ترقی کرنے یا زوال کے اسباب کیا ہوتے ہیں۔ قانون تعلیم کا کردار معاشرے میں کیا ہے اور اخلاقی اقدار کیسے وجود میں آتی ہیں۔

جہاں تک سوشل سائنسز یا عمرانی علوم کے طریقِ تحقیق کا تعلق ہے اس کا ماخذ بھی یورپ میں استعمال کیے جانے والے تجربی طریقے (EMPIRICAL METHOD) ہیں۔ چنانچہ معاشیات ہو یا عمرانیات جو پیمانے ترقی (PROGRESS, EVELOPMENT) کو ناپنے کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں، ان کی فکری بنیاد یورپی تصورِ حیات (WORLD VIEW) ہی فراہم کرتا ہے۔ اگر سماجی ترقی کا اندازہ کرنا ہو تو یورپی تصورِ حیات میں جو معیارِ زندگی (QUALITY OF LIFE)، گھر کی مکانیت اور اس میں سہولیات کا ہونا، سڑکوں، بجلی اور ذاتی سواری کا ہونا، اوسط عمر، خاندان میں افراد کی تعداد، غرض وہ بہت سے پہلو

جنہیں تجربی طور پر اعداد شمار میں لایا جا سکتا ہے وہی ترقی، کامیابی اور ڈویلپمنٹ کے اشاریے (INDICATORS) قرار دیے جاتے ہیں۔

اس وضاحت سے جو بات کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان اور عالم اسلام میں جو عمرانی علوم، عمرانیات یا معاشیات پڑھائے جاتے ہیں اور جس کی بنیاد پر کسی ملک یا معاشرے کو ترقی یافتہ، کسی کو پس ماندہ اور کسی کو زیرِ ترقی کہا جاتا ہے، ان سب کو ناپنے کے پیمانے ان ممالک کے اپنے حالات، تصورِ حیات، معاشرتی روایات، اقدارِ حیات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ ان کا مقصد و ماخذ مغربی تصورِ حیات اور تہذیب و تمدن ہیں۔

بعض حضرات اس تاثر کا اظہار کرتے ہیں کہ عمرانی علوم کا تعلق نہ کسی خاص مذہب سے ہے نہ کسی خاص ثقافت سے، یہ تو معاشرے میں پائے جانے والے حقائق کا عکس ہوتے ہیں حقیقت واقعہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ تصورِ معاشرہ کا مفہوم آسان زبان میں یہ کہا جاتا سکتا ہے کہ اس معاشرے میں جو انسان پایا جاتا ہے اس کا تصورِ حیات، تصورِ کامیابی، تصورِ فلاح اور تصورِ کائنات اور تصورِ الٰہ یا رب کیا ہے؟ کوئی بھی معاشرہ اُس تصورِ حیات کا عکس ہوتا ہے جو اس میں پائے جانے والے انسان اختیار کرتے ہیں۔ مغربی علومِ عمرانی فرد، معاشرے اور ریاست کے بارے میں اور بالخصوص الٰہ، رب اور کائنات کے بارے میں جو تصور رکھتے ہیں وہی ان کے معاشرے کو تشخص فراہم کرتا ہے، چنانچہ مغرب میں عمرانی علوم کو جن بنیادوں پر اٹھایا گیا ہے ان میں انسان ہی کائنات کا مرکز قرار پاتا ہے۔ انسانی خوشی، تسکینِ خواہش اور رضامندی ہر معاشرتی عمل کی بنیاد تسلیم کی جاتی ہے۔

فلسفیانہ اصطلاحات میں مغربی تہذیب و ثقافت کی بنیاد INDIVIDUALISM (انفرادیت پسندی)، HEDONISM (حصولِ لذت)، MATERIALISM (مادہ پرستی)، RELATIVIST ETHICS (اضافی اخلاقیات) پر قائم ہے۔ چنانچہ ایک فرد طے کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی تسکین کے لئے کتنی دولت کمائے اور اپنی نجی زندگی میں کن چیزوں کو جائز اور کن کو ناجائز قرار دے۔ گویا خاندانی تعلق ہو یا کاروباری، ملازمت ہو یا کاشت کاری، دوستی ہو یا دشمنی، وراثت کا معاملہ ہو یا سیاسی اقتدار، ہر انسانی فیصلے کی بنیاد انسان کا اپنا ذاتی مفاد، دولت،

لذت یا تسکین فیصلہ کن مقام کی حامل اقدار ہیں اور انسان کو کسی بیرونی غیر جانب دار، مفادات سے بالاتر ہستی کی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

مغربی سوشل سائنسز کے تمام شعبے اس بنیادی تصورِ حیات و کائنات کو اپنی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ عمرانیات کا پہلا کلیہ ہی یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے کیوں کہ وہ انسانوں کے ساتھ گروہ کی شکل میں مل جل کر رہتا ہے۔ یہاں جو بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور ایک لادینی افادیت پرست (UTILITARIAN) تصور کو اسلام کے عالمی اخلاقی تصور سے ممتاز کرتی ہے وہ مغربی علومِ عمرانی میں انسان کا بنیادی طور پر حیوان ہونا ہے، جب کہ اسلامی تصورِ حیات اللہ تعالیٰ کو خالق و حاکمِ کائنات اور انسان کو اس کا خلیفہ قرار دیتا ہے اور انسان کا وجود محض حیوانی نہیں بلکہ حیوانی پہلو کے ساتھ اس کی اصل شناخت اس کا روحانی، ملکوتی اور اخلاقی وجود ہے جو اسے استخلاف کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا اہل بناتا ہے اور دنیا کے سارے وسائل کے صحیح تصرف کو اس کی جولان گاہ بنا دیتا ہے۔

مغربی سوشل سائنسز کی آغوش میں ترتیب پانے والا ذہن آغاز سے ہی اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ انسانی نفسیات کی بنیاد اس کی انا، لذت، قوت اور قبضہ کرنے کی جبلت (INSTINCT) ہے اس لئے وہ ہمیشہ ان محرکات کی بنا پر کام کرے گا۔ یہ وہی اصول ہیں جو، بصد معذرت، چوہوں پر تجربات کر کے حاصل کیے جاتے ہیں اور پھر انسانوں پر لاگو کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ روایتی نفسیات کا دائرہ انسان کو دو پاؤں پر چلنے والے بڑے چوہے میں تبدیل کر دیتا ہے جو پنیر (CHEESE) کی خوشبو پر بھول بھلیوں سے تیزی سے گزرتا ہوا آخر جا کر پنیر کو کتر لیتا ہے۔

سگمنڈ فرائڈ اور دیگر ماہرین نفسیات انسان کی زندگی کے تقریباً تین چوتھائی اعمال اور فیصلوں کو اس کے لاشعور اور تحت الشعور کا کارنامہ سمجھتے ہیں، جب کہ اسلام انسانی زندگی کے تمام کاموں کو شعوری اور ارادی عمل (نیت، ارادہ) سے وابستہ قرار دیتا ہے۔ اس طرح تصورِ انسان اور تصورِ حیات کا بنیادی فرق عمرانی علوم کے ہر ہر شعبے میں نمایاں نظر آتا ہے۔ مسلم دانشور کا اصل مسئلہ اس کی وہ فکری اور ذہنی مرعوبیت ہے جس کی بنا پر وہ لادینی مغربی عمرانی علوم کا اتنا عادی ہو چکا

ہے کہ اب وہ ان کے فکری سانچوں سے نکلنا بھی چاہے تو بآسانی نہیں نکل سکتا۔ وہ گندے تالاب کی مچھلی کی طرح اپنے اردگرد کے بُرے ماحول میں فرحت محسوس کرتا ہے کیوں کہ اسے ابھی تک تازہ اور صحت مند پانی میں تیرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

نصف صدی قبل الجزائری مفکر مالک بن نبی نے اس صورت حال کو محض ایک لفظ میں یوں بیان کیا تھا کہ COLONIZIBILITY یعنی محکومانہ ذہنیت سیاسی اور تہذیبی محکومیت سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اسی بات کو FANON نے NEO-COLONIALISM کی اصطلاح سے واضح کرنا چاہا۔ دراصل ہمارے علومِ عمرانی مغربی لادینی (SECULAR) جمہوریت، انفرادیت پسندی (INDIVIDUALISM)، مادیت (MATERIALISM) اور لذتیت (HEDONISM) کے ارکان اربعہ پر ایمان بالغیب لاتے ہوئے مفروضوں کو انسانی فکر اور معاشرے کی تخلیق وارتقا کی بنیاد سمجھتے ہیں اور ہر وہ فکر جو ان مفروضوں سے ٹکراتی ہے اسے قدامت اور روایت پرستی قرار دیتے ہیں۔ ہمارے دانشور بھی انہی تصورات کی تشہیر کرتے ہیں اور کبھی اس دامِ خیال سے باہر نکل کر ان تصورات پر تنقیدی نظر نہیں ڈالتے۔

کسی ملک وقوم کی ترقی کا انحصار اس کے تصورِ حیات کی عظمت پر ہوتا ہے اور اس تصورِ حیات کا عکس علوم میں نظر آتا ہے۔ ہمارے سماجی علوم کی تشکیلِ جدید ہماری اپنی اخلاقی اقدار پر کرنے کے لئے ہمیں مغربی فکر کی اندھی تقلید سے نکل کر اسلام کی آفاقی اقدار کی بنیاد پر تصورِ علم اور اصنافِ علم کو نئے سرے سے مدوّن کرنا ہوگا تاکہ ہر شعبۂ علم سے وابستہ محقق کائنات اور خالق کائنات کے باہمی تعلق کو تسلیم کرتے ہوئے انسانیت کی فلاح اور ایک اخلاقی معاشرے، اخلاقی معیشت، اخلاقی سیاست اور اخلاقی ثقافت کی تعمیر کر سکے۔

مغربی معاشرہ ہو یا معیشت و سیاست و اخلاق، ہر ہر شعبے میں جو ترقی ایک نگاہِ ظاہر بین کو نظر آتی ہے اس کی اصل یہی چار اصول ہیں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا۔ معاشرے کے قیام کا آغاز خاندان کی اکائی سے ہوتا ہے۔ مغربی عمرانیات اور سماجیات میں خاندان کی تعریف اور اس پر ایمان بالغیب لانے کے نتیجے میں خود ہمارے معاشرے میں اکیسویں صدی میں خاندان کی تعریف یہی کی جاتی ہے کہ شوہر بیوی اور ان کے حد سے حد دو بچے۔ اسی بنیادی اکائی کی بنیاد پر

ایک خاندان کی معاشرتی اور معاشی ضروریات کا تعین کرتے ہوئے ایک فرد اپنے مستقبل کا نقشہ ذہن میں بناتا ہے، یعنی اگر وہ چاہتا ہے کہ اپنا گھر خود تعمیر کرے تو اس میں اس کا ماسٹر بیڈروم ہوگا اور ان دو بچوں کے لئے ایک کمرہ تاکہ بالغ ہونے کے بعد وہ خود ہی اپنی فکر کریں اور جو کمرہ ان کے استعمال میں تھا یہ معمر ماں باپ کسی اور مصرف میں لاسکیں۔ اس مکان میں دادا دادی یا نانا نانی یا بچوں کی پھوپھی یا خالہ یا کسی بھی عزیز کے لئے تصوراتی طور پر کوئی جائے رہائش نہیں پائی جاتی۔ اس تصور کی بنیاد پر گھروں اور شہروں کی منصوبہ بندی (TOWN PLANNING) کی جاتی ہے اور اس کی روشنی میں پانی کی فراہمی، سڑکوں اور گلیوں کی تعمیر، قرب وجوار میں کسی باغ کا بنایا جانا، متوقع تعداد کے لحاظ سے بچوں کے اسکول، ہسپتال یا بازار کا تعین کیا جاتا ہے۔

گویا بنیادی مفروضہ اگر یہ ہو کہ ایک خوش حال گھرانہ صرف وہ ہے جہاں حد سے حد ایک یا دو بچے پائے جائیں تو یہ انفرادی بلکہ اجتماعی فیصلہ جن محرکات پر مبنی ہوتا ہے وہ بقیہ تین ارکان، یعنی لذتیت، مادیت اور دنیویت (غیر مذہبی سوچ) ایک فرد کو اپنے فیصلوں میں خود مختار سمجھتے ہوئے اخلاق کو انفرادی پسند کا تابع بنا دیتے ہیں، اور وہ حد سے حد دو بچوں والے 'خوش حال گھرانے' کے خود ساختہ تصور میں گم رہتا ہے۔ اگر صرف سماجیات اور معاشرے کے نقطۂ نظر سے اس مثال پر غور کیا جائے تو محض دو نسلوں میں اس 'خوش حال' گھرانے میں پیدا ہونے والے یہ دو بچے اگر لڑکے تھے تو جب یہ بڑے ہوتے ہیں تو بذات خود بہن کے وجود سے آگاہ نہیں ہوتے اور ان کی اولاد ساری عمر کسی پھوپھی کا تصور نہیں کرسکتی۔

اگر یہ پیدا ہونے والے بچے دو لڑکیاں ہیں تو یہ خود بھائی کے وجود سے غیر آگاہ اور ان کی اولاد کسی ماموں سے مکمل طور پر ناآشنا رہتی ہے۔ اگر ان دو میں سے ایک لڑکا ہو ایک لڑکی ہو تو لڑکے کی اولاد چچا یا تایا کے رشتہ سے ناآشنا اور لڑکی کی اولاد خالہ کے تصور سے لاعلم رہتی ہے۔ یہ لاعلمی محض نظری نہیں کہی جاسکتی یہ اسلامی شریعت میں قطع رحمی کی تعریف میں آسکتی ہے۔ یہ رشتوں کا توڑنا اور دفن کر دینا جو تہذیب وثقافت پیدا کرے گا وہ محض فرد کے گرد گھومے گی۔ اس میں اجتماعیت نہیں پائی جائے گی اور جب اجتماعیت نہیں ہوگی تو معاشرت اور معاشرے کی بنیادی اکائی ہی ختم ہوجائے گی۔ گویا مغربی لادینی عمرانیات اور سماجیات کا یہ بظاہر معصوم نعرہ کہ خاندان کا

مطلب کیا ہے اور جسے ـــــ بلاتخصیص تمام معاشرتی علوم کی کتب میں، پاکستان ہو یا دیگر مسلم ممالک ـــــ بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، اور جس عمرانیات میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد بھی ایک شخص یونی ورسٹی میں استاد بنتا ہے وہ اسی تصورِ خاندان اور معاشرے کی بنیاد پر تمام تحقیق اور ملک کی معیشت، سیاست اور دفاع کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔

اس لیے یہ سمجھنا کہ عمرانی علوم محض تفریح طبع کے لئے ہوتے ہیں اور اطلاقی علوم ہی ترقی کی طرف لے جاتے ہیں، ایک لاعلمی پر مبنی تصور ہے، اور جیسا کہ ہم نے ایک روزمرہ کی مثال سامنے رکھ کر یہ بات واضح کی ہے کہ کسی طرح مغربی لادینی اور انفرادیت پسند تصورِ خاندان ایک ایک تہذیب کُش فکر ہونے کی بنا پر انسانی ثقافت کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر انسانی معاشرے سے معاشرتی اقدار کو خارج کر دیا جائے اور خاندان جو رشتوں سے وابستہ ہوتا ہے ان رشتوں ہی کو انسانی یادداشت سے نکال دیا جائے تو تہذیب کس بنیاد پر آگے بڑھے گی؟ آج مسلم دنیا میں مغربی لادینی علومِ عمرانی کے بنیادی تصورات پر اندھا ایمان لانے کے نتیجہ میں جو خاندانی انتشار، اضمحلال اور زوال پیدا ہو رہا ہے اس کے اسباب بڑے واضح ہیں لیکن ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے ماہرین تعلیم اور منصوبہ بندی کو اپنے ذہن کو مغربی استعماری (COLONIA) فکر کے جال سے نکالنا ہوگا۔ مغربی عینک سے ہر فکر کا مطالعہ کرنے کی عادت کو ترک کرنا ہوگا اور ایک علمی ماہیت قلبی (EPISTEMIC PARADIGM SHIFT) سے گزرنا ہوگا۔ گویا بنیادی اصطلاحات جن پر علوم عمرانی کو قائم کیا گیا ہے خود ان فکری بنیادوں کی جگہ متبادل فکری بنیاد پر علوم عمرانی کی تشکیل جدید کرنا ہوگی۔

اس تشکیل جدید کو اسلام کے تصورِ ربّ اور اس کے عالم گیر اخلاقی اصولوں پر قائم کرنا ہوگا تاکہ نئے علوم عمرانی ہر ہر شعبے میں توحید، عدل، امانت وخلافت اور حقوق اللّٰہ اور حقوق العباد کے بنیادی الہامی اصولوں کی روشنی میں معاشیات، سیاسیات، عمرانیات، نفسیات، تاریخ، ادب، تہذیب وثقافت، غرض ہر ہر شعبۂ علم میں اُس علم کے مقاصد، مناہج واہداف اور ان کے حصول کے اخلاقی طریقوں پر عمل کر سکیں۔

اگر یہ کام نہیں کیا گیا تو مغربی لادینی علوم عمرانی بشمول تصورِ جمہوریت، ہمیں غیر محسوس

طور پر غلامی میں گرفتار رکھے گا اور ہم گندے پانی کی مچھلی کی طرح اپنے ماحول کے پاک صاف، ترقی یافتہ اور معیارِ زندگی میں مسلسل اضافے کے خام تصورات میں محوِ خواب رہیں گے۔

ترقی کی بنیاد جب تک ایک ملت کی تہذیبی اقدار، تصورِ حیات اور تصورِ فلاح نہیں ہوگا اگر وہ کوئی مادی ترقی کر بھی لے، اس کے ہاں سڑکیں اور پل تعمیر ہو جائیں، بڑے بڑے بازار بن جائیں، سات ستاروں والے ہوٹل تعمیر ہو جائیں، جب بھی وہ ملت مفلسی کا شکار رہے گی۔ یہ مفلسی فکر میں بھی ہوگی، رشتوں کے احترام میں بھی ہوگی اور نسانیت کے احترام میں بھی۔ یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ اگر ایک ملت انسانیت میں مفلسی کا شکار ہو تو پھر اس کی ٹکنالوجی میں ترقی اس کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔

ماضی کی اقوام جن کا تذکرہ قرآن کریم میں پایا جاتا ہے، جو پہاڑوں کو تراش کر محلات بناتے تھے، جو اہرامِ مصر جیسے حیران کن کارنامے بغیر کسی 'مغربی ٹکنالوجی' کے انجام دے سکتے تھے، ان سب اقوام نے جب الہامی ہدایت و اقدار کو چھوڑ کر یہ دعویٰ کیا کہ وہ خود مقامِ ربوبیت پر فائز ہیں یا دوسرے الفاظ میں یک قطبی طاقت ہیں جسے کوئی شکست نہیں دے سکتا، (اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی) ،تو پھر ان کی تمام مادی قوت انھیں تباہی سے نہیں بچا سکی۔ آج ان کی ترقی کے قصے تاریخ کے صفحات میں دفن ہیں۔ روم و ایران اور یونان دیومالاؤں سے زیادہ اہم مقام نہیں رکھتے۔

مسلم ماہرین علومِ عمرانی کے لئے اصل چیلنج یہی ہے کہ وہ کس طرح مغربی لادینی تصورِ علم سے اپنے آپ کو آزاد کریں اور علومِ عمرانی کی تشکیل وحی الٰہی، توحید، عدل، امانت، خلافت، عالم گیر اسلامی اخلاقی تعلیمات، یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد پر رکھ کر ایک نئی روایتِ علم کی تدوین توحید کی بنیاد پر کریں جو انسانیت کے لئے رحمت و ترقی کا زینہ بن سکے۔

توحید کی بنیاد پر علومِ عمرانی اور اخلاقی علوم کی تدوین جدید کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کی اساس قرآن کریم کے فراہم کردہ تصورِ علم یا EPISTIMOLOGY پر ہو، یعنی وحی الٰہی اور ہدایت ربانی سے جو علم حاصل ہو وہ علم کی اعلیٰ ترین اور حقیقی شکل قرار پائے اور تجرباتی، حسی یا جبلی ذرائع علم اس کے تابع ہوں۔ قرآن کریم ہر صفحے پر انسان کو مشاہدہ، تجربہ اور تجزیہ و تحلیل کی دعوت دیتا ہے اور انسانی معاشرے کی تعمیر عدل، معروف اور حقوق کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس کی بنا پر وحی

کے ذریعے حاصل ہونے والے مطلق علم اور حواسِ خمسہ اور انسانی عقل کے ذریعے تخلیق علم میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ انسانی عقل اور وحی الٰہی کے باہمی تعامل سے اطلاقی علم وجود میں آتے ہیں۔ ایسے ہی وحی کی بنیاد پر وجود میں آنے والے علومِ عمرانی میں حاکمیّتِ الٰہی اور حقوق العباد کو مرکزی مقام ملتا ہے۔ اس طرح جو علم پیدا ہوتا ہے وہ نہ صرف انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے بلکہ وہ انسانیت کے وسیع تر مفاد، قیامِ امن اور قیامِ عدل کے عمل کو آسان بنا دیتا ہے۔ آج بلا کسی تاخیر کے اس تخلیقی عمل کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نہ صرف مسلمان بلکہ تمام انسانیت عادلانہ معاشرے اور سیاسی استحکام کی برکتوں سے فیض یاب ہو سکے۔ (بہ شکریہ: مغرب اور اسلام، شمارہ نمبر ۴، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد)

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات پر

اہل علم کے تأثرات

''10علاماتِ قیامت'' پر ایک نظر

ڈاکٹر طالب حسین سیال، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

موت ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں، سب انسان اس حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور ہر انسان کو یقین ہے کہ اُس نے ایک نا ایک دِن مرنا ہے۔ اختلاف اِس بات پر ہے کہ موت کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے کہ نہیں؟ ہر دور میں ایسے انسان رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ موت زندگی کا حتمی اختتام ہے، مرنے کے بعد نہ کوئی زندگی ہے اور نہ ہی حساب و کتاب کا کوئی معاملہ ہے۔ اس کے برعکس تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی تعلیمات میں اس حقیقت کو بیان کیا کہ مرنے کے بعد اصل زندگی کا آغاز ہوگا۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ زندگی ایک آزمائش ہے تاکہ دیکھا جائے کون اچھے اعمال کرتا ہے۔ مرنے کے بعد زندگی کے عقلی امکان پر قرآنِ حکیم نے ایک عام فہم دلیل دی ہے۔ جس ہستی نے عدم سے اِس کائنات کو وجود بخشا ہے اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ تخلیق کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ سورۂ یٰسین میں ارشاد ہوتا ہے: ''کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اُسے ایک نطفہ سے پیدا کیا اور اب وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہو گیا ہے بولنے والا۔ اور ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے اور اپنی تخلیق کو بھول گیا ہے۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ کھوکھلی ہو گئیں۔ کہہ دیجیے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اُن کو بنایا اور وہ سب بنانا جانتا ہے''۔

یومِ آخرت پر یقین کامل ایمان کا حصہ ہے۔ سورۂ بقرہ میں پرہیزگاروں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں ہر شخص کو اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہ ہونا پڑے گا، گناہوں کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اچھے اعمال کا اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا کرے گا۔ مسلمانوں کے علاوہ کئی غیر مسلم بھی آخرت کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور چونکہ اس دنیا میں ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا اور جزا نہیں ملتی، کوئی نیک آدمی اس دنیا میں بے جا سزا پاتا ہے اور کئی بڑے آدمی اس دنیا میں عروج حاصل کرتے ہیں اور اپنے جرائم اور گناہوں سے بچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ انصاف ہو اس لیے کامل انصاف کے قیام کے لیے موت کے بعد زندگی کا تصور ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جرمن مفکر کانٹ (KANT) کے حاسۂ اخلاقی کا یہی فلسفہ ہے۔ مرنے کے بعد والی زندگی میں اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق برتاؤ کرے گا۔ فرانسیسی مفکر آگستے کومتے کہتا ہے کہ فکرِ انسانی دو مراحل سے گزر چکی ہے قدیم دور مذہب کا دور تھا اور دوسرا دور فلسفہ کا دور تھا اور اب تیسرا دور سائنس کا دور ہے اِس میں مذاہب کے ایجابی پہلو یعنی اچھی اقدار (POSITIVISM) کے علاوہ ان کے غیر سائنسی عقائد کا کوئی فائدہ نہیں۔

سائنس کے دور سے پہلے بھی ایسے لاکھوں انسان تھے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور آخرت کا انکار کیا۔ سورۃ المومنون (۲۳) کی آیات ۳۵ تا ۳۶ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ''اور بولے سردار جو اس قوم کے کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا اُن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں، اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو، اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے، تو تم بے شک خراب ہوئے۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ اور ہو جاؤ مٹی اور ہڈیاں تو تم کو نکلنا ہے۔ کہاں ہو سکتا؟ کہاں ہو سکتا ہے؟ تم سے وعدہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔ یہی جینا ہے ہماری دنیا کا، مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو پھر اُٹھنا نہیں''۔

یورپ میں سائنس کی ترقی نے مغرب کے لوگوں کو زندگی کی آسائشیں مہیا کر دی ہیں

انہوں نے مادّی لذات کو زندگی کا نصب العین بنالیا ہے مغرب کے کئی فلاسفروں نے مذہب کی مخالفت کی اور اس کو افیون قرار دیا۔ کارل مارکس اور اس کے پیروکاروں نے برملا کہا کہ ''انسان ناگزیر ہے خدا ناگزیر نہیں'' ہمیں انسان کے مسائل حل کرنے ہیں۔ خدا کو ماننے یا نہ ماننے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آج بھی دنیا میں ایسے انسانوں کی کمی نہیں جو خدا کے وجود کے منکر ہیں۔ آخرت اور قیامت کا تصور خدا سے وابستہ ہے۔ مغرب کے ملحدانہ خیالات اور مادّہ پرستانہ طریق زندگی سے کئی تعلیم یافتہ مسلمان بھی متاثر ہو کر تشکیک کا شکار ہیں۔ عہدِ حاضر میں زمین کی باتیں اور اہل زمین کے مسائل پر غور و فکر ہوتا رہتا ہے۔ آخرت کے بارے میں سوچنے والے لوگوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ دوسری طرف دنیا میں آئین و قانون کے چرچوں کے باوجود جرائم بڑھتے جارہے ہیں اور جنگ سے محفوظ دنیا اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک اللہ پر کامل یقین عام نہ ہوجائے جب انسان کو ہر وقت یہ احساس ہوگا کہ اُس نے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے ہر عمل اور ہر حرکت کے بارے میں جواب دینا ہے تو وہ معروف پر چلنے کی کوشش کرے گا۔ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کو یاد رکھنے سے ہی انسان راہِ مستقیم پر گامزن رہ سکتا ہے ورنہ مرغوباتِ نفس اس کو قدم قدم پر زیر کردیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں بار بار کہا گیا ہے کہ قیامت قریب ہے۔ ''لوگوں کا حساب قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔

انجینئر مختار فاروقی صاحب وسیع مطالعہ اور عمیق نظر رکھنے والے محنتی سکالر ہیں۔ اُن کے قلم سے تھوڑے ہی عرصے میں کئی کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ وہ ان علماء میں نہیں ہیں جو اصحابِ رخصت کہلاتے ہیں وہ اصحابِ عزیمت میں سے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ کلمۂ حق بلند کرنے کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ان کی زیرِنظر کتاب ''10 علامات قیامت'' دراصل ایک حدیث رسول ﷺ کی تشریح و تعبیر ہے۔ تشریحات و تعبیرات میں فاضل مؤلف کے تخیل کی فراوانی، منطقی طرزِ استدلال اور منظر کشی کی داد دینی پڑتی ہے۔ اُن کی کاوش کا مقصد وحید یہ ہے کہ انسان بالخصوص اہل اسلام حدیث مصطفےٰ ﷺ کی روشنی میں اپنے آپ کو آخرت کے لیے تیار کریں، اپنے گناہوں پر توبہ کریں پیشتر اس کے کہ توبہ کا دروازہ بند ہوجائے۔ فاروقی صاحب

کی اسلامی حمیت اور قرآن وسنت سے والہانہ محبت کی ادا سے ہر وہ شخص متاثر ہوتا ہے جو ان کی تصانیف کا مطالعہ کرتا یا اُن سے ملاقات کرتا ہے۔ اُن کو رات دن قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرنے کا شغف ہے، وہ کسی محفل میں موجود ہوتے ہیں تو اس وقت بھی اُن کا دھیان قرآن وسنت میں ہی ہوتا ہے۔ وہ عہدِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ایک سچے مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی سربلندی کا خواب ان کی زندگی کا مشن ہے۔ زیرِنظر کتاب پر میں جناب مختار احمد فاروقی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک اہم موضوع پر قلم اُٹھایا۔ اُن کی بعض تعبیرات سے کوئی اختلاف کرسکتا ہے۔ لیکن ان کے خلوص اور زورِ قلم کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن و سنت کی تعلیم واشاعت کے لیے ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت

''الصَّلٰوۃُ والسَّلامُ علٰی رسولِ اللّٰہ ﷺ'' پر تبصرہ

پروفیسر خالد شبیر احمد، نائب امیر مجلس احرار اسلام، چنیوٹ

''حکمت بالغہ'' پاکستان کے مقتدر جرائد میں شمار ہوتا ہے۔ اکثر مطالعہ میں رہا ہے۔ اس میں مضامین منفرد نوعیت کے پڑھنے کو ملتے ہیں خاص طور پر جناب انجینئر مختار فاروقی جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں اسے نقطہ کمال تک پہنچادیتے ہیں۔ ان کے مضامین سے میں نے استفادہ کیا ہے، خدا اس کا انھیں اجر عطا فرمائے اور مزید انھیں دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ انہوں نے حکمت بالغہ کی کئی خصوصی نمبر بھی شائع کیے، ہر مجموعہ اپنی جگہ علم وحکمت عقل ودانش کا ارمغان ہوتا ہے جو اہل علم حضرات کے لیے بھی علم میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

اس دفعہ حکمت بالغہ کا خصوصی نمبر بعنوان:

''الصلوٰۃ و السلام علٰی رسولِ اللّٰہ ﷺ''

نظر سے گزرا۔ مسرت بھی ہوئی اور روحانی تسکین کا باعث بھی بنا۔ مسرت اس بات پر کہ اللہ کا فضل

وکرم ہے کہ اب بھی ہمارے ملک کے اندر ایسے صاحب علم موجود ہیں اور روحانی تسکین کا باعث اس خصوصی نمبر کا عنوان تھا۔ جس عنوان کے تحت کئی ذیلی عنوانات سے بڑی مفید دینی لحاظ سے ضروری باتوں کا اظہار ہوا اور دینی علم میں اضافے کا باعث بنا۔ مثلاً درود شریف میں ''آل'' سے متعلقہ جو بحث اور موقف انھوں نے پیش کیا ہے اس موقف کی اس دور میں اشد ضرورت تھی، عام آدمی اس لفظ ''آل'' سے جو تأثر قائم کرتا ہے وہ بہت محدود ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ہمارے نزدیک 'آل' کا لفظ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کسی بڑی سربرآوردہ شخصیت کے ساتھ وابستہ افراد، متوسلین اور مقربین سب شامل ہیں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں، خواتین ہوں یا مرد ہوں، خواہ پہلے گزرے ہوں یا کچھ عرصہ بعد کے ہوں۔ ..... درود شریف میں آلِ محمد ﷺ سے مراد ہمارے نزدیک آپ ﷺ پر ایمان لانے والے تمام افراد چھوٹے، بڑے، عورتیں مرد، عرب، غیر عرب، آپ ﷺ کے زمانہ مبارکہ کے ہوں یا بعد کے زمانوں کے (بھی) سب شامل ہیں.....۔

اس اقتباس کو غور سے پڑھیے تو اس عبارت کی افادیت سامنے آتی ہے جو بڑے جامع اور منفرد طریقے سے نذر قارئین کی گئی ہے۔

درود شریف کے مفہوم و معنی پر پُر مغز معلومات ہیں جس سے اہل علم کے علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ صلوٰۃ کے مفہوم و معنی، سلام کے مفہوم و معنی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ درود شریف کی دین میں حیثیت اور عظمت اس کے پڑھنے کے فوائد اور نہ پڑھنے پر وعید کے بارے میں مفصل بحث نذرِ قارئین کی گئی ہے۔ پھر چوتھے باب میں درود پڑھنے کے چالیس محل و مقامات کا ذکر موجود ہے جس سے پڑھنے والے کو احساس ہوتا ہے کہ کہاں اور کس موقع پر درود پڑھنا ضروری اور لازمی ہے ایسے موقعوں پر درود نہ پر پڑھنے پر جو وعید ہے اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

پھر اس خصوصی نمبر میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ معاملہ درود شریف تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے علاوہ کئی اہم دینی عنوانات پر بھی بحث کی گئی ہے، مثلاً ''روح''، ''خودی'' اور ''نورِ خودی'' جیسے اہم عنوانات پر بھی سیر حاصل بحث موجود ہے۔ نور کیا ہے؟ کن کن مفہوم و معنی میں نور کا لفظ

استعمال ہوا ہے؟ کہا گیا ہے کہ انسان کا حیوان کی سطح پر گر جانا ہی نور سے محرومی ہے۔ پھر یہ بھی کہ نور کن کن شکلوں میں موجود ہے، وحی کو بھی نور کہا گیا اور قرآن بھی نور ہے اور اس بات پر بھی بحث کی گئی ہے کہ اب قرآن پاک قیامت تک کے لیے نور ہے۔ پھر نور اور پاکیزگی کا ذکر جس میں کہا گیا ہے کہ نور اور پاکیزگی لازم وملزوم ہیں۔ قرآن پاک کی آیات اور حدیث کے حوالے سے جب موضوع پر بحث کی گئی تو پاکیزگی کی دین میں اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے۔

غرضیکہ یہ خصوصی مجلّہ معلومات کا ایسا مجموعہ ہے جو قاری کے ایمان کو تازگی کے ساتھ ساتھ اس کے ایمان کو بھی منور کر دیتا ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ یہ خصوصی مجلّہ گلہائے علم وفضل کا ایک ایسا گلدان ہے جو زینت فکر نظر ہو کر قلب وروح کے ساتھ ساتھ پڑھنے والے کے ایمان کو بھی مہکا دیتا ہے۔ خدا اس ادارے جس کے تحت حکمت بالغہ اشاعت پذیر ہوتا ہے کو مزید دین کی خدمت کا جذبہ عطا فرمائے کہ اس دورِ الحاد میں ایسے لوگ اور ایسے اداروں کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص کرم ہے جس پر انھیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے انھیں دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا کی۔

دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں استقبالِ رمضان کا جلسہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک ایمان افروز خطبہ

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اٰخِرَ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَ قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعاً مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے اس مبارک مہینے میں ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے اور اس کی راتوں میں کھڑے ہونے (یعنی تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

وَ شَهرُ الْـمُـوَاسَاةِ وَ شَهـرٌ يُـزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْـمُـؤْمِـنِ مَـنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِماً كَـانَ لَـهُ مَغْفِرَةً لِّذُنُوبِهٖ وَ عِتْق رَقَبَتِهٖ مِـنَ النَّـارِ وَ كَـانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْـرِ اَن يُـنْتَـقَـصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ۔ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهٖ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُـعْـطِـی الـلّٰـهُ هٰذا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَـائِـماً عَلٰی مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَـاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِماً سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَـوْضِیْ شُرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْـجَـنَّةَ وَ هُـوَ شَهْـرٌ اَوَّلُـهٗ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَـطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَـنْ خَـفَّفَ عَـنْ مَـمْـلُـوْكِـهٖ فِيْـهِ غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّار

(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں مؤمن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو روزے دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ہم میں سے ہر ایک کو روزے دار کو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی لسی پر یا پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزے دار کا روزہ افطار کروادے۔ اور جو کوئی کسی روزے دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالی میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے اور اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے۔ اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام کے کام میں تخفیف کردے گا اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے آزادی دے گا۔

(ترجمہ ماخوذ از معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی)

ان شاء اللّٰہ

علوم قرآن کے شائقین کے لیے خوش خبری

رمضان المبارک کے دوران

2014ء-1435ھ

ترجمۃ القرآن

کے 3 پروگرام

1۔ جامع مسجد عبیداللہ (گنبدوں والی) محلّہ سلطان والا جھنگ صدر

2۔ قرآن اکیڈمی جھنگ ،لالہ زار کالونی نمبر2،ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

3۔ سٹی آفس انجمن خدام القرآن جھنگ، گوجرہ روڈ، نزد ریلوے پھاٹک جھنگ صدر

(تراویح کے بعد قرآن مجید کا ترجمہ)

شرکت کی دعوت عام ہے

چشم براہ: عبدالمجید کھوکھر ناظم اعلیٰ وارا کین انجمن

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

عنقریب ایک خصوصی اشاعت

کا اہتمام کر رہا ہے

جس کا عنوان ہے:

جنوبی ایشیا میں

ھندو مسلم نظریاتی کشاکش

کا تاریخی جائزہ

آغازِ اسلام سے ایٹمی پاکستان تک

(610ء تا 2014ء)

اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لیے قلمی تعاون فرمائیں۔ نیز موضوع سے متعلق تراشے، حوالہ جات اور مضامین ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)